بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی ☆

عہدِ رسالت میں مواخاۃ کا ادارہ

اور معاشرے پر اس کے اثرات

اسلامی اخوت کا ایک اہم اور مثالی مظہر مواخاۃ ہے جس کا تذکرہ سیرت کی عام کتب میں ملتا ہے۔ عام طور پر مواخاۃ کا ذکر اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ یہ محض انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ پیدا کرنے کے لئے کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں ان دونوں طبقوں کے درمیان گہرا رشتۂ اخوت استوار ہوگیا تھا۔ ہمارے بعض سیرت نگار حضرات نے اس کے معاشی پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل مواخاۃ میں ملحوظ رکھا تھا۔

لیکن اگر مواخاۃ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے اور ان حالات و اسباب کے پس منظر میں اس کا جائزہ لیا جائے جن میں یہ عمل وجود پذیر ہوا تھا تو اور بہت سے دُوسرے پہلو بھی اجاگر ہوتے ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر و بصیرت میں کس قدر وسعت و گہرائی تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مواخاۃ کا عمل دو مرتبہ پیش آیا۔ (۱) پہلی مرتبہ مواخاۃ مکہ مکرمہ میں کرائی گئی، یہ مواخاۃ ان لوگوں کے درمیان کرائی گئی تھی جو اسلام قبول کر چکے تھے، ان میں زیادہ

☆ ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تر لوگ مکہ مکرمہ ہی میں رہنے والے تھے لیکن کچھ ایسے حضرات بھی تھے جو حبشہ، فارس اور دیگر دُور دراز علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔

مکی زندگی میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا خواہ ان کا تعلق سرزمین مکہ سے تھا یا بیرون مکہ سے وہ مختلف قبائل اور گھرانوں کے ایک ایک دو دو افراد تھے، ان میں صاحب ثروت لوگ بھی تھے اور غریب و نادار بھی۔ قریش جیسے سیاسی و معاشی طور پر مستحکم قبیلے کے لوگ بھی تھے اور دیگر نسبتاً کمزور قبائل کے لوگ بھی۔ چونکہ مختلف قبائل کے اکا دُکا لوگ تھے اس لئے انہیں حلقہ اسلام میں داخل ہونے کا یہ خمیازہ بھگتنا پڑتا تھا کہ اپنے ہی خاندان کی دشمنی مول لینا پڑتی تھی۔ اپنے گھر والے ہی منہ موڑ لیتے تھے۔ رشتہ دار اور احباب نہ صرف قطع تعلق کر لیتے بلکہ سخت ردعمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے خلاف ظالمانہ کارروائیاں کرنے لگتے، قبائلی نظام میں خاندان کی سرپرستی اور ضمانت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ سرپرستی اور تحفظ کی ضمانت ختم ہو جائے تو اس سے جو خلا پیدا ہوتا ہے یا عدم تحفظ کا جو احساس پیدا ہوتا ہے وہ بہت سے معاشرتی مسائل جنم دیتا ہے، اس صورت حال میں یہ لوگ اپنے آپ کو تنہا تنہا محسوس کرنے لگتے تھے۔ مصائب و ابتلا کے دور میں یہ احساس شدت سے ابھر رہا تھا کہ کوئی ان کا قریبی دوست ایسا ہوتا جس سے وہ اپنا حال دل کہہ سکیں، کوئی ایسا شریک غم ہوتا جس کے سامنے اپنا غم ہلکا کر سکیں۔ خونی رشتوں کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے جس انس و محبت اور تعلق کے فقدان کا احساس ہو رہا تھا وہ کسی طرح ختم ہو جائے۔

یہ ایک معاشرتی مسئلہ تھا جسے حل کرنا ضروری تھا۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا مسئلہ بھی درپیش تھا جو اس سے بھی زیادہ اہم تھا۔ وہ مسئلہ ان غلاموں کی تعلیم و تربیت کا تھا جو اسلام قبول کر کے مسلم معاشرے کا حصہ بن گئے تھے لیکن علمی اور فکری طور پر وہ بہت پیچھے تھے۔ ان کی ذہنی سطح بھی بہت پست تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں معاشرے میں کبھی بھی انسانیت کے مقام پر فائز نہیں سمجھا گیا، نہ ہی انہیں کبھی ایسے مواقع مہیا کئے گئے تھے جس میں وہ علم و تربیت کی طرف متوجہ ہو سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ غلاموں کی تمام صلاحیتوں کو اجاگر کر کے انہیں معاشرے میں انسانیت کے قابل احترام مقام پر لایا جائے، تاکہ ان کی ان صلاحیتوں سے معاشرے کو استفادے کا موقع ملے جو اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت رکھی ہوئی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مسئلوں کو حل کرنے کے لئے اسلام قبول کرنے والے بھائیوں کے درمیان مواخاۃ کرائی، محمد بن حبیب (م ۲۴۵ھ) نے مکہ مکرمہ کی مواخاۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے

لکھا ہے کہ:

آخی بینھم علی الحق والمواساۃ و ذالک بمکۃ۔(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے درمیان باہمی ہمدردی و تعاون کی بنیاد پر مواخاۃ کرائی اور یہ مواخاۃ مکہ مکرمہ میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔

یہ مواخاۃ مندرجہ ذیل افراد کے درمیان کرائی گئی تھی۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور زید بن حارثہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام) کے درمیان۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے درمیان۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے باہم۔

حضرت الزبیر بن العوامؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان۔

حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اور حضرت بلال بن رباحؓ کے درمیان۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے باہم۔

حضرت عبیدۃ بن الجراحؓ اور حضرت سالم مولی ابی حذیفہؓ کے درمیان۔

حضرت سعید بن زیدؓ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ کے درمیان (۳)

اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ان لوگوں کے درمیان تو مواخاۃ کرادی ہے، میں رہ گیا ہوں میرا بھائی کون ہوگا؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔(۴) حضرت علیؓ تو پہلے ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور آپ ہی ان کی کفالت فرمایا کرتے تھے اس لئے شائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے یہ ضرورت محسوس نہ کی ہو، بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر کہ میں تمہارا بھائی ہوں، حضرت علیؓ کی دلجوئی فرمائی۔

دوسری مرتبہ مواخاۃ مدینہ منورہ میں ہجرت کے تقریباً پانچ ماہ بعد انصار و مہاجرین کے مابین کرائی گئی، اس مواخاۃ کا آغاز حضرت انس بن مالکؓ کے گھر سے ہوا۔ حضرت انسؓ کے گھر پر جو مواخاۃ منعقد ہوئی اس میں ان انصار و مہاجرین کو آپس میں بھائی بھائی بنایا گیا جو اس وقت وہاں موجود تھے، بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آتے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نہ کسی

انصار کا بھائی بنا دیتے تھے۔ مورخین اور سیرت نگار پینتالیس اور پچاس مہاجرین کا ذکر کرتے ہیں، جنہیں اتنے ہی انصار کے ساتھ اس رشتے میں وابستہ کر دیا گیا تھا، اس طرح تقریباً پچاس مہاجر خاندان پچاس انصاری خاندانوں کے ساتھ رشتۂ مواخاۃ میں منسلک ہو گئے تھے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پینتالیس یا پچاس مہاجرین اور پینتالیس یا پچاس انصار وہ تھے جن کے درمیان اجتماعی طور پر حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں مواخاۃ کرائی گئی تھی۔ بعد میں اکا دکا خاندان آتے رہے اور ان کے درمیان بھی یہ عمل کرایا جاتا رہا، اس لئے کہ تاریخ و سیرت کی کتب میں اس سے کہیں زیادہ اسمائے گرامی ملتے ہیں جن کے مابین مواخاۃ کرائی گئی تھی۔ چنانچہ ابن ہشام نے سولہ مہاجرین اور سولہ انصار کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔(۵) بلاذری نے انساب الاشراف میں بائیس انصار اور بائیس مہاجرین کے ناموں کو ذکر کیا ہے۔ البتہ وہ بعض مورخین کی اس رائے کا ذکر کرتے ہیں کہ انصار و مہاجرین میں کوئی بھی ایسا نہیں بچا تھا جو سلسلہ مواخاۃ میں منسلک نہ کر دیا گیا ہو۔(۶) یہ رائے زیادہ صائب معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ جن مقاصد کے حصول کے لئے مواخاۃ کرائی گئی تھی ان کے لئے سب ہی کا اس میں شریک ہونا ضروری تھا۔

سیرت نگار اور مورخین نے انصار و مہاجرین کے ناموں کو جمع کیا ہے، ابن حبیب نے چھپن انصار اور چھپن مہاجرین کے نام ذکر کئے ہیں۔(۷) ابن سید الناس نے پینتالیس انصار اور پینتالیس مہاجرین کے ناموں کا احاطہ کیا ہے۔(۸) کچھ ناموں میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ اگر تمام ناموں کو اکٹھا کیا جائے تو تقریباً پینسٹھ انصار اور پینسٹھ مہاجرین کے اسمائے گرامی ملتے ہیں، اس طرح کل ایک سو تیس انصار و مہاجرین کے ناموں کو مورخین نے محفوظ کیا ہے۔ اہل علم کی دلچسپی کے لئے کچھ مشہور صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی دیئے جا رہے ہیں۔

۱۔	حضرت ابو بکر صدیقؓ	حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیرؓ
۲۔	حضرت عمر فاروقؓ	حضرت عتبان بن مالکؓ
۳۔	حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	حضرت سعد بن الربیعؓ
۴۔	حضرت عثمان بن عفانؓ	حضرت اوس بن ثابتؓ
۵۔	حضرت ابو عبیدۃ بن الجراحؓ	حضرت سعد بن معاذؓ

۶۔	حضرت الزبیر بن العوامؓ	حضرت سلمہ بن سلامہؓ
۷۔	حضرت مصعب بن عمیرؓ	حضرت ابوایوب خالد بن زیدؓ
۸۔	حضرت عمار بن یاسرؓ	حضرت حذیفہ بن الیمانؓ
۹۔	حضرت ابوحذیفہ بن عتبہؓ	حضرت عباد بن بشرؓ
۱۰۔	حضرت بلال بن رباحؓ	حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الخثعمیؓ
۱۱۔	حضرت سلمان الفارسیؓ	حضرت ابوالدرداءؓ
۱۲۔	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	حضرت سعد بن معاذؓ
۱۳۔	حضرت عبیدۃ بن الحارث بن المطلبؓ	حضرت عمیر بن الحمام سلمیؓ
۱۴۔	حضرت عثمان بن مظعونؓ	حضرت ابوالہیثم بن التہانؓ
۱۵۔	حضرت الارقم بن الارقم	حضرت طلحہ بن زید بن سہلؓ
۱۶۔	حضرت علیؓ بن ابی طالب	حضرت سہل بن حنیفؓ
۱۷۔	حضرت زید بن الخطابؓ	حضرت معن بن عدیؓ
۱۸۔	حضرت عمرو بن سراقہؓ	حضرت سعد بن زیدؓ
۱۹۔	حضرت عبداللہ بن مظعونؓ	حضرت قطبہ بن عامرؓ
۲۰۔	حضرت شماع بن وہبؓ	حضرت اوس بن خولیؓ
۲۱۔	حضرت عبداللہ بن جحش الاسدیؓ	حضرت عاصم بن ثابتؓ بن ابی الافلح
۲۲۔	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	حضرت سعید بن خثیمہؓ
۲۳۔	حضرت الطفیلؓ بن الحارث بن المطلب	حضرت مقدر بن محمد بن عقبہؓ
۲۴۔	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ	حضرت معاذ بن ماعصؓ
۲۵۔	حضرت خباب بن الارتؓ	حضرت جبار بن صخرؓ
۲۶۔	حضرت صہیب بن سنانؓ	حضرت الحارث بن الصمہؓ

۲۷۔	حضرت عامر بن ربیعہؓ العنزی	حضرت یزید بن المقدرؓ
۲۸۔	حضرت سعید بن زید بن عمروؓ	حضرت رافع بن مالکؓ
۲۹۔	حضرت وہب بن سرحؓ	حضرت سوید بن عمروؓ
۳۰۔	حضرت معمر بن الحارثؓ	حضرت معاذ بن عفراءؓ
۳۱۔	حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ	حضرت عمرو بن معاذؓ
۳۲۔	حضرت زید بن حارثہؓ	حضرت اسید بن حضیرؓ

مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کے حل کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پالیسی کے تین اصول نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ۱۔ با قاعدہ منصوبہ بندی، ۲۔ ترجیحات کا تعین اور ۳۔ حصول مقاصد کے لئے عملی جدوجہد۔ مواخاۃ کا عمل بھی آپ ﷺ کی منصوبہ بندی کا حصہ تھا اور ہجرت کے بعد ترجیحات میں سرفہرست تھا۔ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سب سے اہم مسئلہ مدینہ منورہ کا دفاع اور مہاجرین کی آباد کاری تھا۔ دفاعی سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اور بہت سے اقدامات کئے ان میں ایک اہم اقدام امت مسلمہ کی وحدت اور یکجہتی بھی تھا۔

مدینہ منورہ ہجرت سے قبل خانہ جنگی کا شکار تھا، شہر مدینہ جو چھوٹی چھوٹی بہت سی آبادیوں کا مجموعہ تھا، مختلف جنگی قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ یہاں کی باہمی جنگوں میں عبداللہ بن اُبی بن سلول نے اپنے آپ کو کسی حد تک غیر جانب دار رکھ کر اس بات کے لئے راہ ہموار کرلی تھی کہ مدینہ منورہ کے عرب و یہودی قبائل اسے اپنا قائد تسلیم کرلیں اور اسے مدینہ کا حکمران مان لیں تاکہ وہ اس خطے میں امن قائم کرے۔ کچھ قبائل جو خانہ جنگی سے تنگ آئے ہوئے تھے وہ اسے حکمران بنانے پر تیار ہو گئے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن اُبی نے اپنی تاج پوشی کے لئے تیاریاں بھی شروع کردی تھیں۔ ہجرت کی وجہ سے اس کا حکمرانی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ شائد اس وجہ سے عبداللہ بن اُبی کا رویہ شروع سے ہی اسلام کے ساتھ معاندانہ رہا، وہ کھل کر ظاہری طور پر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مخالفت نہ کرسکا لیکن خفیہ طور پر امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع اس نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

مہاجرین جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تو انصار اور مہاجرین میں جو تہذیبی فرق تھا عبداللہ بن اُبی اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ مکہ مکرمہ سے آنے والے مہاجرین کا تعلق عدنانی

عربوں سے تھا یہ لوگ مکہ مکرمہ اور حجاز کے صحرائی علاقوں میں آباد تھے، ان کی تمام عادات واطوار میں صحرائی اقوام کے اثرات تھے، صحرا کی آزاد اور بدویانہ زندگی کے یہ لوگ دلدادہ تھے، ان کی تہذیب وتمدن اور رسوم ورواج میں صحرائی تہذیب ہی رچی بسی ہوئی تھی۔ صحرا کی آزادانہ زندگی کے ساتھ ہی اہل مکہ نے اپنا شہری نظام وضع کرلیا تھا اور معاش کے لئے تجارت اور شکار پر بھروسہ کرتے تھے۔ تجارت کو انہوں نے زیادہ بہتر طور پر منظم کرلیا تھا۔

انصار میں زیادہ تر اوس اور خزرج کے قبائل سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے، یہ لوگ صدیوں سے زراعت پیشہ چلے آرہے تھے۔ مدینہ منورہ میں آباد ہونے سے قبل یہ لوگ یمن میں آباد تھے۔ وہاں بھی زراعت اور کاشتکاری ان کا پیشہ تھا۔ یمن میں آباد عربوں نے زراعت میں بہت ترقی حاصل کرلی تھی۔ انہوں نے اپنی زمینوں کی آبادکاری کے لئے ایک عظیم الشان بند تعمیر کیا تھا جو تاریخ میں سد مآرب کے نام سے مشہور ہے۔ پانی کی کثرت اور زرخیز زمینوں کی وجہ سے یہ لوگ خوشحال تھے۔ قرآن حکیم میں بھی ان کی خوشحالی اور زراعت کی طرف اشارہ ملتا ہے اور ان کے تعمیر کردہ بند مآرب کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ بند بعد میں ایک طوفانی سیلاب سے تباہ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے زبردست سیلاب آیا اور اہل یمن کے بہت سے زراعت پیشہ لوگوں کو ترک وطن کرنا پڑا۔ یہ لوگ یمن سے نکلے تو ایسی جگہوں پر جا کر آباد ہوئے جہاں قابل کاشت زمینیں تھیں اور آب پاشی کے لئے پانی موجود تھا۔ ان میں کچھ لوگ مدینہ منورہ آکر آباد ہوگئے اور یہاں زراعت میں مصروف ہوگئے۔ ان لوگوں کی تہذیب وثقافت میں متمدن اور متمول قوموں کے اثرات تھے۔ ان کی تہذیب زرعی تہذیب تھی جو صحرا کی تہذیب وتمدن سے مختلف تھی۔ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ان دو تہذیبوں کا اجتماع ہوگیا تھا۔ ایک صحرائی تہذیب تھی تو دوسری تہذیب کا تعلق زرعی تہذیب سے تھا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے معاونین اس تہذیبی اختلاف سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے جو منصوبہ بندی فرمائی تھی اس کا ایک حصہ یہ تھا کہ انصار ومہاجرین کے مابین اس تہذیبی اختلاف کو جلد از جلد ختم کیا جائے، اور کسی گروہ کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ اس اختلاف سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھا سکے۔ چنانچہ مواخاۃ کے عمل کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انصار ومہاجرین مل جل کر ایک ساتھ رہیں، ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھیں اور ایک دوسرے کی اچھی عادات واطوار کو اپنائیں۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتربیت کے ذریعے ان حضرات کا عقیدہ اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ اس کی بنیاد پر ایک نئی تہذیب وجود میں آنے لگی اور انصار ومہاجرین کے مابین تہذیبی اختلاف بتدریج ختم ہوگیا، عبداللہ بن اُبی اور اس کے گروہ کے علاوہ یہودی بھی اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے درمیان باہمی نسلی تعصب کو ابھار کر یا مقامی اور غیر مقامی کے مسئلے کو اٹھا کر ایک دوسرے سے لڑا دیا جائے لیکن منافقین اور یہودیوں کی یہ کوششیں کامیاب نہیں ہوسکیں، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا، چنانچہ آپ نے مواخاۃ کرا کے منافقین کی اس قسم کی سازشوں کا سدباب کر دیا۔

مواخاۃ اولیٰ ہو یا مواخاۃ ثانیہ، اس منصوبے کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ اس کے ذریعے موالی (آزاد شدہ غلام) کی ذہنی وفکری تعلیم وتربیت کا ایسا اہتمام کیا جائے کہ وہ لوگ جو صدیوں سے ذہنی وفکری پستی کا شکار چلے آرہے تھے، انہیں آزاد لوگوں کے ہم پلہ کیا جائے اور غلامی نے جو ان کی فکر، اور نفسیات کو متاثر کیا ہوا تھا وہ ختم ہوجائے تاکہ یہ لوگ بھی معاشرے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرسکیں۔

غلامی کی تاریخ پر نظر رکھنے والے افراد اچھی طرح جانتے ہیں کہ جن لوگوں کے ساتھ مال ومتاع کا سا سلوک کیا جاتا ہو اور جو آزاد فکری سے محروم رکھے گئے ہوں ان کی ذہنی وفکری سطح کس قدر پست ہوجاتی ہے۔ جدید دور میں بھی بھارت میں ایسے گروہ ملتے ہیں جنہیں نیچی ذات قرار دے کر دھتکار دیا جاتا ہے اور انہیں نسلی طور پر کمتر قرار دیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہوتا ہے اس وجہ سے نیچی ذات کے بہت سے افراد احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں اور ذہنی وفکری اعتبار سے بہت پیچھے ہوتے ہیں، ان لوگوں کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو جسمانی طور پر غلام چلے آرہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آزاد شدہ غلاموں کی تعلیم وتربیت کی بہت فکر تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ یہ لوگ احساس کمتری کے جال سے نکل آئیں اور فطرت نے انہیں جو صلاحیتیں عطا کی ہیں انہیں اجاگر کیا جائے تاکہ یہ لوگ بھی اس قابل ہوجائیں کہ وہ کردار ادا کرسکیں جو قائدانہ صلاحیت رکھنے والے آزاد لوگ ادا کررہے تھے۔

موالی کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کو ایسے لوگوں کے ساتھ مواخاۃ میں منسلک کیا تھا جو قریش میں نمایاں قائدانہ صلاحیتوں کے مالک

تھے۔ مثلاً حضرت بلالؓ بن رباح کو عبیدۃ ابن الحارث کا بھائی بنا دیا گیا۔ حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ کو حضرت ابوعبیدہؓ کا بھائی بنایا گیا۔ مدنی مواخاۃ میں حضرت سالمؓ کو حضرت معاذ بن ماعص کا بھائی بنایا گیا تھا۔ حضرت صہیب بن سنانؓ حضرت الحارث بن الصمہ کے بھائی قرار پائے تھے، حضرت خباب بن الارت حضرت جبار بن صخر کے بھائی بن گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ حضرت اُسید بن حضیر کے بھائی قرار پائے تھے، ان حضرات کو آزادی اور مساوات کی بنیاد پر آزاد لوگوں کی صحبت میں رہنے اور ان کے ساتھ افکار و خیالات کا تبادلہ کرنے سے نفسیاتی طور پر زبردست تبدیلی آئی، ان کی ذہنی و فکری سطح بلند ہوئی اور غلامی کے اثرات دھل گئے، ان کے عزائم اور طبیعت میں قائدین کا سا ولولہ پیدا ہوگیا، خیالات میں وسعت و بلندی پیدا ہوئی اور بہت جلد یہ لوگ اعلیٰ درجے کی قائدانہ صلاحیتوں کے مالک بن گئے۔ حضرت ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام کا مقام تو اس قدر بلند ہوا کہ اس کا اندازہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنی وفات کے وقت حضرت سالم کے بارے میں فرمایا تھا:

> کاش اگر آج سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کر دیتا۔(۹)

حضرت عمرؓ کے ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت سالم میں کس قدر تبدیلی آ گئی تھی کہ وہ بہت سے آزاد اور نمایاں حیثیت رکھنے والوں سے بھی سبقت لے گئے تھے۔ منصب خلافت کوئی معمولی عہدہ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کی رائے میں سالمؓ میں وہ تمام صلاحیتیں پیدا ہوگئی تھیں جو اس عظیم الشان منصب کے لئے ضروری ہیں۔ نو آزاد غلاموں میں اتنا بڑا انقلاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیاب منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا۔ اسلامی نظام زندگی ہی یہ عظیم الشان انقلاب پیدا کر سکتا تھا۔ عہد نبوی کے بعد بھی یہی اسلامی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ موالی کو اسلامی معاشرے میں وہ تمام سہولتیں میسر تھیں جو کسی بھی آزاد فرد کو حاصل ہو سکتی تھیں۔ سہولتوں سے زیادہ اہم مسئلہ معاشرے میں ان کے ساتھ سلوک اور طرز عمل کا ہے۔ اسلامی معاشرے میں ان کے ساتھ باعزت سلوک ہوتا تھا، ان کی عزت نفس اور وقار کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ علم و فکر کے میدان میں موالی نے شاندار خدمات انجام دیں، چند مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلم معاشرے میں انہیں کیا مقام حاصل رہا اور انہوں نے کس طرح اپنا کردار ادا کیا۔ مثلاً مدینہ منورہ میں حضرت نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ امام مالکؒ کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، مکہ مکرمہ

os\Alser

میں عطاء بن رباح یمن میں حضرت طاؤس بن کیسان، بصرہ میں حضرت حسن البصری، خراسان میں ضحاک بن مزاحم، شام میں امام مکحولؒ، مصر میں یزید بن حبیبؒ، جزیرہ میں میمون بن مہران وغیرہ۔ اسی طرح مجاہد بن جبیر، سعید بن جبیر، عکرمہ مولی عبداللہ بن عباس، یہ وہ حضرات ہیں جو علم حدیث اور علم تفسیر کے آئمہ شمار ہوتے ہیں، ان کے بغیر علم حدیث اور علم تفسیر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بڑے بڑے حکمران اپنے بچوں کو حصول علم کے لئے ان کے پاس بھیجنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ مجاہد بن جبیر کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تیس مرتبہ قرآن کریم پڑھا، تین مرتبہ تو اس طرح پڑھا کہ ایک ایک آیت پر رک کر اس تفسیر کی وضاحت معلوم کی اور مقام و کیفیت نزول کے بارے میں علم حاصل کیا۔ ابوزناد عبدالرحمٰن بن ذکوان موالی میں سے تھے، یہ بھی حضرت امام مالکؒ کے اساتذہ میں رہے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں عراق میں وصولی خراج کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا تھا۔ عبدالملک بن الماجشون بنوتیم کے موالی میں سے تھے، علم فقہ میں ان کا اہم مقام تھا۔ شرحبیل بن سعد بھی آزاد کردہ غلام تھے سیرت و فتاوٰی میں ان کو بلند مقام حاصل ہے۔ سعید بن جبیرؓ نے جمع و تدوین حدیث و آثار پر بڑا کام کیا ہے۔ ابوعبید القاسم بن سلام (متوفی ۲۳۰ھ) بنو ازد کے غلام تھے، بعض نے انہیں انصار کا غلام لکھا ہے۔ یہ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ان میں سب سے زیادہ شہرت کتاب الاموال کو حاصل ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ممکن ہوا کہ مواخاۃ کے عمل نے آزاد و غلام کے درمیان فرق کو ختم کر کے نفسیاتی طور پر موالی کی تعلیم و تربیت کے لئے بہترین ماحول مہیا کر دیا تھا۔

مواخاۃ کا ایک پہلو معاشی مسائل کا حل بھی تھا، مہاجرین مکہ مکرمہ سے ترک وطن کر کے مدینہ منورہ آئے تو یہ لوگ اپنا تمام مال و متاع مکہ مکرمہ چھوڑ آئے تھے، مدینہ منورہ میں اُن کی آبادکاری کا مسئلہ تھا، نیز شہر مدینہ کے وسائل محدود تھے، چند سو مہاجرین کی آمد سے یہاں معاشی مشکلات بڑھ گئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مسائل کو احسن طریقے پر حل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انصار و مہاجرین کے درمیان مواخاۃ کے ذریعے غریب مہاجرین کو وقتی طور پر انصار کے اموال میں شریک کر دیا گیا، وفات کی صورت میں ایک دوسرے کی وراثت میں بھی شریک قرار دیئے گئے، اس عمل کا فوری طور پر اقتصادی فائدہ تو یہ ہوا کہ بے خانماں مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ حل ہو گیا۔

مدینہ منورہ کے معاشی وسائل کو وسعت دینا بھی آپ ﷺ کے منصوبے کا حصہ تھا، اہل مدینہ (اوس و خزرج) زراعت پیشہ لوگ تھے ان کی ساری معاشی جدوجہد زراعت تک محدود تھی، تجارت اور اس

کے اصول وضوابط سے یہ لوگ ناواقف تھے۔ مدینہ منورہ میں تجارتی سرگرمیاں محدود تھیں ان پر بھی مکمل طور پر یہودیوں کا قبضہ تھا، اوس وخزرج کے لوگ عام طور پر یہودیوں کے مقروض رہتے تھے، یہودی انہیں سود پر قرضہ دیا کرتے تھے۔ عمل مواخاۃ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انصار و مہاجرین ایک دوسرے کے معاشی تجربات اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں، مہاجرین نے انصار کے تعاون سے یہاں نہ صرف تجارتی سرگرمیاں شروع کیں بلکہ زراعت کو بھی بہتر بنانے کی کوششیں کیں۔

قرآن کریم نے تجارت کے ذریعے حصول معاش کو اپنی نعمت اور فضل قرار دیا اور لوگوں کو آمادہ کیا کہ تجارت کو فروغ دیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کو حصول معاش کا ذریعہ بنایا۔ دوسری طرف زراعت کو اس قدر اہمیت دی کہ ایک پودا لگانا بھی عبادت قرار پایا، اور اس کا پھل خواہ انسان کھائے، پرندہ یا چوپایا، درخت کو لگانے والے کے لئے صدقہ قرار دیا گیا۔ (۱۰)

انصار و مہاجرین کی مشترکہ کوششوں سے مدینہ منورہ کے معاشی وسائل میں اضافہ ہوا اور جلد ہی تجارت پر یہودیوں کی اجارہ داری بھی ختم ہوگئی۔ اس طرح مواخاۃ کا عمل معاشی مسائل کو حل کرنے اور معاشی بنیادوں کو ازسرنو منظم کرنے میں بہت مفید اور موثر ثابت ہوا۔

مواخاۃ کا تعلیمی پہلو بھی اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخاۃ کے ذریعے مدینہ منورہ کے ہر مسلم گھرانے کو ایک تعلیمی ادارے میں ڈھال دیا تھا۔ دراصل تعلیم کے میدان میں مہاجرین اور انصار کے درمیان فرق پیدا ہوگیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فرق کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اہل مکہ تیرہ برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے، انہوں نے مکی دور میں بھی نزول وحی کا مشاہدہ کیا تھا وہ مقامات وحی سے بھی واقف تھے، یہ لوگ تیرہ برس تک وحی کی تعبیر وتشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے رہے اور یہ تمام عرصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزارا۔ آپ ﷺ کے اعمال واقوال کو دیکھتے اور سنتے رہے، اور انہیں اپنی زندگی میں منتقل کرتے رہے۔ صحابہ کرام صرف عمل ہی کو اپنے اندر منتقل نہیں کرتے تھے بلکہ جذبات واحساسات کو بھی منتقل کرتے تھے۔ اس صحبت کی وجہ سے ان کے اعمال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی روح جھلکتی تھی۔ اس تقدم ایمانی کی وجہ سے انہیں علم کے میدان میں بھی سبقت حاصل تھی اور مہاجرین وانصار سے تیرہ برس آگے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ معرفت وعلم کا یہ فرق ختم ہو جائے اور مہاجرین کے پاس جو مکی دور کا علم ہے وہ تمام کا تمام انصار کو منتقل ہو جائے تاکہ نہ صرف یہ کہ شرح تعلیم میں اضافہ ہو جائے

بلکہ مسلم معاشرے کے تمام افراد کی ذہنی وفکری صلاحیتوں کو بھی نشو ونما دیا جا سکے۔ مواخاۃ کے عمل کی وجہ سے ہر گھر غیر رسمی تعلیمی ادارے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ مہاجرین نے نہ صرف یہ کہ مکی دور کے علم وحی کو انصار تک منتقل کیا بلکہ وہ علم وتجربہ بھی منتقل کیا جو انہیں تجارت کے میدان میں حاصل تھا۔ اسی طرح صنعت و زراعت سے متعلق جو علم اہل مدینہ کے پاس تھا مہاجرین نے وہ ان سے حاصل کیا۔ اس طرح علم و ہنر کے میدان میں بہت بڑی تبدیلی آئی اور یہ امی قوم جلد ہی علمی وفکری میدان میں دنیا کی قیادت کے لئے تیار ہو گئی۔

مندرجہ بالا گفتگو سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مواخاۃ کا عملی اقدام بہت کامیاب رہا، اس لئے کہ انصار و مہاجرین کے اس قریبی تعلق اور باہمی اخوت و محبت اور تعاون سے ایک نئی تہذیب اور نیا تمدن وجود میں آیا وہ تہذیب وتمدن جس کی بنیاد اسلامی عقائد، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ تھے۔ یہ عقیدہ کی قوت اور جذبہ عمل ہی تھا جس نے انصار کے دلوں میں اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے بے پناہ قربانیوں کا جذبہ پیدا کیا۔ انصار کی جانب سے جذبہ قربانی کو قرآن کریم نے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ (۱۱)

وہ اپنے بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود ہی ضرورت مند کیوں نہ ہوں۔

انصار کے لئے قرآن کریم کی یہ شہادت باعث سعادت وصد افتخار ہے۔

مواخاۃ کا عمل آج بھی دہرایا جا سکتا ہے۔ اس کا صرف ایک پہلو یعنی وراثت میں بھی شریک ہونا قرآن کریم نے منسوخ کر دیا تھا، لہٰذا اب وراثت میں تو شریک نہیں کیا جا سکتا، البتہ مال ومتاع میں بے خانماں مہاجرین کو شریک کر کے ان کے مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ آج بوسنیا، کوسوو، کشمیر، افغانستان اور بہت سے علاقوں کے مسلمان معاشی، معاشرتی، تہذیبی وتمدنی مسائل کا شکار ہیں برما، فلپائن اور بعض دیگر علاقوں میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا ہے۔ بعض علاقوں میں مسلمان بچوں کے لئے تعلیم وتربیت کے مسائل ہیں۔ کہیں کفار کے سیاسی و معاشی غلبے کی وجہ سے تہذیبی مشکلات درپیش ہیں کہیں علمی وتہذیبی غلبے نے مسائل پیدا کئے ہوئے ہیں، امت مسلمہ کو ان مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اپنی ذمہ داریوں اور اپنے فرائض کا احساس کرنا چاہئے اور مواخاۃ کے ادارے کا احیاء کرنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ تو ہر دور اور ہر زمانہ میں واجب العمل ہے۔ ہماری رائے میں اسلامی کانفرنس کی تنظیم (O.I.C) کو اس سلسلہ میں قدم اٹھانا چاہئے، اور اجتماعی طور پر امت مسلمہ کے معاشی و معاشرتی مسائل

حل کرنے کے لئے سیرت طیبہ سے روشنی حاصل کرنا چاہئے، اس لئے کہ سیرت طیبہ کی پیروی میں ہی ہماری نجات و کامیابی کا راز مضمر ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ السمہودی، وفاء الوفاء/ احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۹۳ھ/ ج۔۱/ص ۲۶۶،

۲۔ ابن حبیب، المحبر / المکتب التجاری، بیروت/ص ۷۰،

۳۔ البلاذری، احمد بن یحیٰ/ انساب الاشراف، تحقیق محمد حمید اللہ/ دارالمعارف، مصر ۱۹۵۹ء/ ج۔۱ /ص ۲۷۰، ابن حبیب/ المحبر ۷۰، ۷۱،

۴۔ السمہودی، وفاء الوفاء/ ج ۱/ص ۲۶۶،

۵۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ/ بیروت/ ج ۲/ص ۱۵۱۔۱۵۳،

۶۔ البلاذری/ انساب الاشراف/ ج۔۱/ص ۲۷۰، ۲۷۱،

۷۔ ابن حبیب، المحبر، ص ۷۱، ۷۵،

۸۔ ابن سیدالناس/ عیون الاثر، دارالمعرفہ، بیروت/ ج۔۱/ص ۲۰۰۔۲۰۲،

۹۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ/ ج ۲/ص ۲۳۶،

☆ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب/ ج ۲/ص ۲۸،

۱۰۔ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ۔ (الجمعۃ آیت ۱۰) وَتَرَی الْفُلْکَ فِیْہِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ۔ (فاطر، آیت ۱۲)،

☆ صحیح بخاری میں ہے ما من مسلم یغرس غرسا فیا کل منہ طیر او انسان او بہیمۃ الا کان لہ بہ صدقۃ۔ (حدیث نمبر ۲۳۲۰)

۱۱۔ سورۃ الحشر ۵۹، آیت ۹،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی ☆

عہدِ رسالت میں صحابہؓ کی فقہی تربیت اور اس کے نتائج وثمرات

کتاب وحکمت کی تعلیم دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں سے تھا۔ چنانچہ آیۂ شریفہ میں کہا گیا ہے،

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ (۱)

وہ انہیں کتاب الٰہی اور دانائی کی تعلیم دیں۔

یہاں حکمت سے کیا مراد ہے؟ نامور مفسر ومجتہد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر حلال وحرام کا فہم، دینی تفقہ اور فقہی بصیرت سے کی ہے (۲)

یہی معنی حضرت مجاہد سے منقول ہیں، امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے، امام بخاریؒ نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ (۳) ائمہ اصول میں امام سرخسیؒ نے اصول السرخسی اور امام البزدوی نے اصول البزدوی کے آغاز میں حضرت ابن عباسؓ کے قول التفقہ فی الدین، (فقہی بصیرت) کو نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین اور امام شافعیؒ حکمت سے ''سنت'' مراد لیتے ہیں۔ (۴) بعض نے دانائی مراد لی ہے۔ (۵) یہی آئمہ لغت کے اقوال ہیں۔ (۶) لیکن فقہی بصیرت، سنت اور دانائی وغیرہ سب قریب قریب

☆۔ نگران شعبہ تخصص فی علوم الحدیث، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

ہم معنی ہیں سب کا حاصل تفقہ، رائے و اجتہاد اور فقہی بصیرت کا استعمال ہے۔(۷)

خاتم رسل، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے رائے و اجتہاد اور فقہی بصیرت پر عمل کیا اور خیر امت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کس طرح اس سے آشنا اور خوگر کیا۔ اور کس طرح اس کے استعمال کا طریقہ سکھایا۔ اور تربیت کی، کیسے ان میں مجتہدین تیار کئے، کس طرح اس طریقہ اجتہاد و رائے کی ہمت افزائی فرمائی اور کس انداز سے فقہی بصیرت اور رائے پر پسندیدگی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ کس طریقے سے شریعت میں رائے و اجتہاد کی گنجائش و سہولت فراہم کی۔ اور کن کن نصوص و آیات نے اس سلسلے میں صحابہؓ کی رہنمائی کی، مجتہدین صحابہؓ کس طرح اس سنت متوارثہ پر عمل پیرا و کاربند رہے، اسلامی قلمرو کس طرح اس کے ثمرات و نتائج سے بہرہ ور ہوتا رہا اور خیر امت نت نئے مسائل کا حل نکال کر راہ نجات حاصل کرتی رہی؟ اس کا جائزہ اس مختصر مقالے میں پیش کیا گیا ہے، جس کی پہلی قسط عہد رسالت و دور صحابہؓ پر مشتمل ہے، اور اس کی دوسری قسط عہد تابعین و زمانہ تبع تابعینؒ پر محیط ہے، یوں یہ مقالہ خیر القرون میں رائے و اجتہاد اور فقہی بصیرت کے استعمال کی ایک تاریخی دستاویز کا جامع بن سکا ہے۔

آغاز بحث سے پہلے تفقہ فی الدین (فقہی بصیرت) کی اہمیت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

فقہی بصیرت اللہ تعالیٰ کی بہت پسندیدہ نعمت ہے جو وہ اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کو عطا کرتا ہے، امام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں۔

والحديث في الصّحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال:

من يرد الله به خير يفقهه في الدين (۸)

ولازم ذلک أن من لم يفقهه الله في الدين لم يرد به خيراً فيكون الفقه في الدين فرضاً ـــ والتفقه في الدين: معرفة الاحكام الشريعة بأدلّتها السمعية، فمن لم يعرف ذالک لم يكن متفقها في الدين (۹)

صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقہ (فقہی بصیرت) عطا کرتا ہے۔

os\Alser

اس کا لازمی اثر یہ ہے کہ جسے تفقہ کی نعمت سے سرفراز نہیں فرماتا اس کے ساتھ بھلائی کا
ارادہ نہیں ہوتا، دین میں تفقہ بقدر استطاعت و طاقت ہر مسلمان پر فرض ہے۔
تفقہ فی الدین مجتہد کا شرعی احکام کو دلائل نقلیہ سے جاننا ہے۔ اس حقیقت کو جو نہیں سمجھتا
وہ دین میں تفقہ۔ وہ فقہی بصیرت یعنی خیر الٰہی سے بہرہ ور نہیں۔

تفقہ کی حقیقت

تفقہ فی الدین اور فقہی بصیرت ایسی عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پسندیدہ بندوں کو عطا کی جاتی ہے، حسب تصریح امام ابن تیمیہؒ اس کا مصداق مجتہدین و فقہا ہیں، اس لئے کہ وہی دلائل نقلیہ سے مسائل کا استنباط کرتے اور تفریع مسائل کرتے ہیں، اس نعمت سے جو محروم ہیں وہ ان محبوبان الٰہی کو ''اصحاب الرائے'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور کہتے ہیں:

'' انه من أصحاب الرأى''

وہ اصحاب الرائے سے ہے ان الفاظ سے ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے سطور بالا میں جس رائے کا ذکر کیا ہے وہ اسلام میں متواتر و متوارث سنت رہی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

نصوص کے زیر اثر رائے کی قدر و قیمت

امام ابن تیمیہؒ کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ رائے جو ہوئی و ہوس پر قائم ہو ''شر'' ہے۔ شریعت میں لائق ملامت اور حرام ہے، اور وہ رائے جو دلائل نقلیہ اور شرعی نصوص کی روشنی میں مجتہد کی اجتہادی سرگرمی اور فقہی بصیرت سے معرض وجود میں آتی ہے، شریعت میں ''خیر'' سمجھی جاتی اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، چنانچہ مجتہد اگر اپنی سعی میں کامیاب ہوتا ہے تو اسے دہرا اجر عطا کیا جاتا ہے اور اگر اس سے اس میں خطا ہوتی ہے تو بھی اس کی حق جوئی کی سرگرمی کے صلے میں اسے اکہرا اجر دیا جاتا ہے، چنانچہ صحیح البخاری میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد

ثم أخطأ فله أجر ۔ (۱۰)

حاکم وقاضی جب فیصلہ کرنے کا ارادہ کرے، اجتہاد کرے اور اپنے اجتہاد میں حق تک رسائی حاصل کرے۔ تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اس نے جب اجتہاد سے فیصلہ کیا اور اس میں اس سے چوک ہوئی تو اسکے لئے ایک اجر ہے۔

وہ فقہی بصیرت جس کا ذکر امام ابن تیمیہؒ نے اوپر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے پسندیدہ نعمت قرار دیا ہے۔

اجتہاد وقیاس اور فقہی بصیرت ایک حقیقت کی مختلف تعبیرات

یہ فقہی بصیرت اور اجتہاد وقیاس ایک حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں، چنانچہ اصطلاح میں اس عمل کو قیاس سے تعبیر کیا جاتا ہے فقہا اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

القياس في الشرع تقدير الفرع بالأصل في الحكم والعلة ۔ (۱۱)

حکم اور علت میں اصل کے ساتھ فرع کا اندازہ لگانا (اور ان میں باہمی مطابقت و موافقت کو) جانچنا پرکھنا شرع میں قیاس ہے۔

حضرت ابوبکرؓ اور دیگر صحابہؓ کا رائے کے متعلق ارشاد اور اس کا مطلب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رائے کی مذمت میں حسب ذیل الفاظ منقول ہیں:

أيّ أرضٍ تقيلني، أيّ سماءٍ تظلني ۔

کہ میں اپنی رائے سے دین میں کوئی بات کہوں تو کونسی زمین مجھے جگہ دے گی اور کونسا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا؟

اس کا مطلب اور اس کی مراد یہ ہے کہ میں نص (صریح حکم اور دلیل) کی موجودگی میں اپنی رائے سے کوئی بات کہوں۔ (۱۲)

یہی وجہ ہے کہ صریح دلائل کی موجودگی میں اجتہاد کرنا جائز ہی نہیں، نہ کبھی کسی نے ایسا کیا ہے اور نہ کسی کو ایسا کرنے کی شریعت میں اجازت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

ایّاکم و أصحاب الرأی۔ (۱۳)

اصحاب الرائے سے بچو کہ انہیں حدیثیں یاد کرنے نے تھکا دیا، حدیثیں پوری یاد نہ کر سکے اور رائے زنی شروع کر دی۔

اول تو یہ باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر منقول نہیں (اس لئے لائق توجہ نہیں) دوسری بات یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اصحاب الرائے ہیں جو ہوائے نفسانی کا شکار ہوں اور بغیر نظیر و قیاس کے رائے دیتے اور کتاب و سنت اور اجماع کے اصول کو نظر انداز کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لو کان الدین بالقیاس لکان باطن الخف اولی بالمسح من ظاهره

اگر دین کا مدار قیاس پر ہوتا تو چمڑے کے موزے کے نچلے حصے پر مسح کرنا زیادہ بہتر ہوتا اوپر کے حصہ پر مسح کرنے سے۔

انّه رای رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: یمسح ظاهر الخف دون باطنه ،

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چرمی موزے کے ظاہری حصہ پر مسح کرتے دیکھا اس لئے (فرماتے ہیں) میں ظاہر حصہ پر مسح کرتا ہوں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ شریعت کے اصول قیاس کے طریقہ سے ثابت نہیں۔ ان کا طریقہ توقیفی (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا سکھایا ہوا ہے) یا اللہ کی طرف سے مقرر کئے گئے اصول ہیں۔(۱۴)

اور حضرت مسروق رحمہ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا وہ فرماتے تھے:

قرّاؤکم و صلحاءکم یذهبون ، یتخذ النّاس رؤساً جهالا یقیسون الامور برائهم۔ (۱۵)

تمہارے قاری اور نیک لوگ اٹھتے جا رہے ہیں لوگوں نے جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیا جو رائے زنی کرنے لگے ہیں۔ (یہاں بھی مذمت ایسی رائے کی ہے جو اصول منصوصہ

کے خلاف ہوتی ہے)

اسی بناء پر اصول منصوصہ سے ناواقف ہونے کے باوجود قیاس و رائے سے فیصلہ کرنا جائز نہیں۔(۱۶)

حضرت مسروقؒ کا یہ قول:

لا اقیس شیئا بشئی فإنی أخاف أن تنزل قدمی۔ (۱۷)

میں ایک شئی کو دوسری شئی پر قیاس کرنے سے ڈرتا رہتا ہوں کہ میرا قدم (راہ حق سے) نہ ڈگمگا جائے۔ یہ کہنا احتیاط کی وجہ سے تھا۔

خصاص کہتے ہیں: یہ بات مسروقؒ کی رائے و قیاس میں احتیاط اور غلطی سے بچنے پر دلالت کرتی ہے۔(۱۸)

ابن سیرین رحمۃ اللہ فرماتے تھے:

اوّل من قاس ابلیس۔

سب سے پہلے جس نے نص کے مقابلے (۱۹) میں قیاس کیا وہ شیطان تھا۔

ان کا مقصد یہ جتانا تھا کہ نص کی موجودگی میں قیاس کرنا درست نہیں۔ حدیث و آثار میں جہاں رائے کی مذمت آئی ہے وہاں نصوص کے مقابلے میں رائے زنی کرنا ہے جو کسی طرح درست نہیں۔ اس سے مراد وہ آرا ہیں جن کی بنا فاسد قیاسات پر ہو نہ کہ شرعی قیاس پر۔

اجتہاد کا محل و مقام

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ نص (حکم صریح) جہاں نہیں ہوتی، یا نص میں کئی احتمال کی گنجائش ہوتی ہے ایسی جگہ مجتہد اجتہاد کرتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر کسی مجتہد کو اجتہاد کی حاجت نہیں، نہ کبھی کوئی مجتہد اجتہاد کی جرأت کر سکتا ہے اور انہی جگہوں میں (جہاں نص نہ پائی جاتی ہو یا پھر نص میں کئی احتمال موجود ہوتے ہوں) مجتہد کی تقلید کی جاتی ہے۔(۲۰)

لہٰذا رائے کی مذمت میں جو اقوال بعض صحابہ کرامؓ سے (سنن الدارمی وغیرہ میں) منقول ہیں ان کا مطلب یہی ہے کہ ''کتاب اللہ'' اور ''سنتِ رسول ﷺ'' اور ''اجماع'' کے اصول سمجھنے اور یاد کرنے سے پہلے رائے کا استعمال کرنا اور اجتہاد کرنا صحیح نہیں۔(۲۱) انہی وجوہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے

جب کوئی واقعہ اور نیا مسئلہ و حادثہ رونما ہوتا تو وہ حاضرین صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا شرعی حکم معلوم کرتے اور اس کے متعلق یہ پوچھتے تھے کہ کسی کے پاس اس مسئلے میں کوئی حدیث موجود ہے؟ اس پر بس نہیں کرتے بلکہ اسلامی قلمرو میں بھی صحابہ کرامؓ سے لکھ کر معلوم کرتے تھے۔ پھر اپنی رائے (اور فقہی بصیرت) سے فتویٰ دیتے تھے۔(۲۲)

اجتہاد کے ناگزیر ہونے کے دو سبب

اجتہاد کے قائل ہونے اور اس پر عمل کرنے کے دو سبب ہیں، پہلا سبب یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور صحابہؓ کو اس کی تعلیم و تربیت کی، صحابہؓ نے اسے سمجھا، اس پر عمل کیا، چنانچہ وہ اس کے قائل اور اس پر کاربند رہے وہ کسی نہ کسی وجہ میں اس صفت سے آراستہ تھے ان میں سے کسی کو اس کے جواز میں کسی قسم کا تامل و تردد نہ تھا یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ میں کوئی اجتہاد کا منکر نہیں پایا گیا۔

ہر ایک جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہؓ نے آپ ﷺ کا جانشین و خلیفہ اجتہادی رائے سے مقرر کیا اور انہوں نے اجتہاد کو دین و شریعت کا رکن سمجھا، ایسا اگر نہ ہوتا تو اجتہاد اور اجتہادی رائے پر ان کا اتفاق نہ ہوتا۔

دوسرا سبب یہ ہے قیاس اور اجتہاد کرنے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے اور صحابہؓ کا اجماع و اتفاق حجت ہے، اس لئے اس میں اختلاف کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں اور نہ اس سے باہر رہ کر کچھ کہنے کی اجازت ہے۔(۲۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے اجتہاد کے متعلق یہ فرمانا:

اقول فیھا برأی فان یکن صواباً فمن اللّٰہ وإن یکن خطأ ضمنی۔(۲۴)

(کلالہ وہ میت جس کی نہ اولاد ہو نہ باپ کے متعلق) جو کہتا ہوں یہ میری رائے ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میری غلطی اور بھول چوک ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حق تک رسائی اور اس کی جستجو میں صواب و خطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے اس لئے مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ یہ میرا قیاس و رائے ہے، یہ درست ہے تو حق کا فیضان ہے کہ اس نے

مجھے حق کی راہ سمجھائی، ورنہ میری خطااور بھول چوک ہے۔تاہم یہ اس کا کرم ہے حق کی جستجو اور کوشش کے صلے میں مجھے ایک اجر عطا کرتا ہے، یہ بات شریعت میں اجتہاد کے جواز اور پسندیدہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔

مجتہدین کو قرآن کی ہدایت

قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں مجتہدین کو اجتہاد کا حکم دیا گیا ہے۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ج (۲۵)

اوران معاملات میں مشورہ لیتے رہئے۔

یہ آیت تمام امور میں عام ہے اس لئے کہ اس ''الامر'' میں الف لام جنس کا داخل ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور ہم بھی تبعاً اس کے مخاطب ہیں۔اس لئے کہ اس میں ہمیں چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔(۲۶) دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (۲۷)

اور اگر تم میں اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا لیا کرو۔

اس آیت میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ''ردّالی اللّٰہ'' سے مراد ''کتاب اللہ'' اور ''ردّالی الرسول'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رجوع کرنا مراد ہے۔اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں اس بات کا صریح حکم کو ڈھونڈنا ہے اور قرآن کا یہ حکم تمام باتوں کے لئے آیا ہے۔

اور تیسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْرَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط (۲۸)

اور اگر یہ لوگ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا اپنے میں سے صاحبان امر کے حوالہ کر دیتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت بھی جان لیتے۔

یہ بھی مذکورہ اوصاف کے ساتھ تمام باتوں میں عام ہے۔

اور چوتھی جگہ ارشاد باری تعالٰی ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰـاُولِي الْاَبْصَارِ ○ (٢٩)

سو اے دانش والو (دانش مندو) عبرت حاصل کرو۔

یہ آیت بھی ہر بات کے لئے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تمام حوادث و واقعات میں جن کے متعلق قرآن و سنت کی صریح اور صاف ہدایت موجود نہیں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کرنے کو درست قرار دیا۔

فقہی بصیرت نہ رکھنے والوں کا حکم

ابو بکر جصاص علیہ الرحمہ "باب القول فی تقلید المجتهد" میں رقم طراز ہیں:

وہ عامی شخص جو اجتہاد کا اہل ہی نہیں ہے جب کسی نئی صورت حال سے دوچار ہو جائے تو اسے اہل علم سے پوچھنا چاہئے، اللہ تعالٰی کا یہی حکم ہے۔ (٣٠)

چنانچہ فرمایا گیا ہے:

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (٣١)

سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو۔

اور دوسری جگہ حکم دیا گیا ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○ (٣٢)

یہ کیوں نہ ہو کہ ہر ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ یہ (باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور سو کیوں نہ نکلا تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آ جائے ڈراتے رہیں عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں۔

یہاں امت مسلمہ کو پیش آنے والے واقعات و حوادث میں اہل علم کے قول کو قبول کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ کو صریح حکم دیا گیا کہ فقہا کی ایک جماعت تیار کریں جو دینی امور میں ان کی رہنمائی

کے فرائض انجام دے، چنانچہ امت مسلمہ کے فقہا عہد صحابہ رضی اللہ عنہم (پہلی صدی) اور دور تابعین اور اس کے بعد سے اب تک (چودھویں صدی ہجری تک) فقہی بصیرت سے امت مسلمہ کی برابر رہنمائی کرتے رہے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی فقہی تربیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس و رائے (فقہی بصیرت) کو خود بھی بعض مواقع میں استعمال فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی نہایت سیدھے سادھے انداز سے اس طریقے کو سمجھایا اور اس کی تربیت کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے گوناگوں شعبوں میں ان کی تربیت جس انداز سے کی اس کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں:

حج کی ادائیگی

ایک صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی وہ حج نہ کرسکی اور مرگئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو كان عليها دين أكنت قاضيه قال: نعم قال: فاقض دَيْنَ اللّٰهِ فَهُوَ احقّ بالقضاء۔(۳۳)

تیری بہن پر اگر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا؟ بولا جی ہاں، فرمایا اس کو ادا کر، اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کو ادا کیا جائے۔

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے قرض کو انسان کے قرض پر قیاس کیا یہ علت دونوں میں موجود ہے۔ ان میں سے ہر قرض کی ادائیگی ضروری ہے۔

اسی طرح خثعمیہ نامی ایک خاتون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے باپ پر حج فرض ہے۔ لیکن وہ بہت بوڑھا ہے سواری پر بیٹھ نہیں سکتا، کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اس پر قرض ہوتا تو تم وہ ادا کرتی؟ تو کیا وہ کافی ہو جاتا اس نے کہا جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اللہ کا قرض ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔(۳۴) ایک خاتون کو بھی فقہی بصیرت سے آشنا کردیا۔

میاں بیوی کی معاشرتی زندگی کا پہلو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات عرض کی کہ ایک دن میں خوشی میں تھا، میں نے روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لیا۔ (تو کیا روزہ جاتا رہا)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غور کرو اگر تم نے روزے کی حالت میں منہ میں پانی لیا اور اسے منہ میں پھرایا، کلی کی تو کیا ہوگا؟ بولے یہ کوئی حرج کی بات نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا ہوا؟ روزہ پانی کے حلق سے اترنے سے ٹوٹے گا؟ اگر پانی حلق سے نہیں اترا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا؟ (۳۵) یہاں صرف بوسہ لینا یہ صورت ایسی ہے جیسے منہ میں پانی ڈالا اور وہ حلق سے نیچے نہ اترا۔ روزہ برقرار رہا، علت دونوں میں یکساں ہے لہٰذا جو حکم ایک کا ہے وہی حکم دوسرے کا ہوگا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ عرض کی کہ مالدار صدقہ خیرات کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، وہ آخرت میں ہم سے بازی لے جائیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی یہ کرتے ہو، میں نے عرض کیا وہ صدقہ کرتے ہیں، ہم صدقہ خیرات نہیں کرتے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے بھی صدقہ ہے۔ تمہارا راستے سے ہڈی اٹھانا صدقہ ہے، تمہارا گناہ سے بچنا بھی صدقہ ہے، تمہارا کمزور کی مدد کرنا صدقہ ہے، اور تمہارا اپنی بیوی سے ہمبستری کرنا صدقہ ہے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہمیں اپنی شہوت پوری کرنے پر اجر دیا جاتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ذرا غور کرو اور دیکھو) اگر تم یہی کام اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ کرتے تو کیا تم گنہگار نہ ہوتے؟ میں نے کہا جی ہاں! تو کیا تم اپنے آپ کو شر و بدکاری سے نہیں روک سکتے ہو، اور کیا تم یہ نیک کام انجام نہیں دیتے ہو، (۳۶) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس کیا، قیاس کے طریقے سے ان کی رہنمائی فرمائی۔

معاملاتی پہلو

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت سفر میں کسی قبیلے میں اتری (اس زمانے میں ان میں مہمانداری عام تھی لیکن انہوں نے نہیں پوچھا اور ہوٹل وغیرہ کا اس زمانے میں رواج

نہ تھا) اتفاقاً اس قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا، انہوں نے اس کے علاج کی کوشش کی وہ سودمند نہ ہوئی، قبیلے کے کچھ لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان لوگوں سے بھی پوچھو چنانچہ انہوں نے کہا کیا تم میں کوئی سانپ کے کاٹے کا علاج جانتا ہے؟ ان میں سے ایک بولا جی ہاں، میں جانتا ہوں، میرے پاس اس کا منتر ہے لیکن تم نے ہماری مہمانداری نہیں کی۔ اس لئے ہم بھی بلا اجرت اس پر جھاڑ پھونک نہیں کریں گے، چنانچہ بکریوں کے ایک مختصر گلے پر معاملہ طے ہوگیا وہ گیا اور اس نے الحمد شریف پڑھ کر دم کیا، سانپ کا زہر اتر گیا، چنانچہ معاملے کے مطابق جو طے تھا وہ انہیں دیا گیا صحابہؓ میں بعض نے کہا یہ آپس میں تقسیم کرو، چنانچہ دم کرنے والا بولا یہ ابھی نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر تقسیم کریں گے، چنانچہ مدینہ آ کر یہ قصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ الحمد اس کا منتر ہے؟ (انہوں نے عرض کی الحمد شریف ہر مرض سے شفا ہے) آپ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا، باہم تقسیم کرو اور میرا بھی ایک حصہ رکھو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (۳۷)

یہاں صحابہؓ نے منتر کے عوض اجرت کو دوا کے عوض واجرت پر قیاس کیا، اس لئے کہ علت جامعہ دونوں میں عوض واجرت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اجتہاد کی وجہ سے دوہرے اجر ملنے کی خوشخبری سنائی ہے۔ مذکورہ بالا حدیثوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نئے مسائل کے حل میں اجتہاد نہایت کامیاب ترین طریقہ ہے۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ اصول فقہ کے مبادی عہدِ رسالت ہی میں ظاہر ہوگئے تھے۔ (۳۸)

تجارت کے پہلو

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لعن اللّٰہ الیھود حرمت علیھم الشحوم فحملوھا فباعوھا (۳۹)

یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار ہو، (گردے، آنتیں، اور معدے کی) چربیاں ان پر حرام کی گئی تھیں۔ انہوں نے اس کو چھوڑا نہیں، انہوں نے ان سے مالی فائدہ اٹھایا، انہیں بیچا اور بیچ کر اس کی قیمت کھائی۔

چربی سے فائدہ اٹھانا حرام تھا، انہوں نے اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا، یہاں دیکھئے "اکل"

(کھانا) بھی (باعثِ) انتفاع تھا اور خرید و فروخت کر کے مالی فائدہ اٹھانا بھی (باعث) انتفاع ہے۔ دونوں میں علت (انتفاع) یکساں موجود ہے تو حکم بھی دونوں کا یکساں ہوگا۔

رنگ روپ کا پہلو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میرے یہاں کالا بچہ پیدا ہوا ہے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں موجود ہیں، رسول اکرم ﷺ نے پوچھا ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے بتایا وہ سرخ ہیں، پھر سرور عالم ﷺ نے اس سے پوچھا: ان میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں موجود ہے۔ سرور کونین ﷺ نے فرمایا وہ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا ممکن ہے مادہ کی کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو، رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: تو تیرے بیٹے کا رنگ بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہوگا۔(۴۰)

ملاحظہ فرمائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ بیٹے کے رنگ روپ کے اختلاف کو اونٹ کے رنگ روپ کے اختلاف پر قیاس کیا۔ اور آدمی کو بھی فقہی بصیرت کا ڈھنگ بتا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیاس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک چیز کا حکم اس کی نظیر سے پیش کر کے بتاتے تھے۔(۴۱) چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابیؓ سے فرمایا! تمہاری بیوی سے ہمبستری کرنا بھی صدقہ وخیرات کا حکم رکھتا ہے۔ صحابی نے عرض کیا، کیا ہمیں اس شہوت کی تسکین کرنے میں بھی اجر دیا جاتا ہے؟ رسالت مآب ﷺ نے اس سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم یہ کام اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ کرتے تو تم گنہگار نہ ہوتے؟ (معلوم ہوا جہاں نکاح کی علت نہ پائی جائے گی وہاں یہ کام گناہ اور حرام ہوگا) صحابی نے عرض کی جی ہاں ہوتا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس طرح تمہارا برے کام پر مواخذہ اور گناہ ہوگا، اسی طرح خیر کے کام پر اجر ملے گا، تو دیکھئے رسول ﷺ نے قیاس کیا اور محظور کا مقابلہ مباح سے کر کے یہ واضح فرمایا کہ جس طرح محظور کے ارتکاب پر گناہ اور محاسبہ ہوتا ہے اس کے مقابل مباح کے ارتکاب پر اجر ملتا ہے۔

بصیرت کے استعمال کی ترغیب اور ہمت افزائی

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دو آدمی جھگڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے عمرو، ان کے درمیان فیصلہ کرو، انہوں نے عرض کی اے اللہ کے

رسول ﷺ! آپ مجھ سے زیادہ اس کے حقدار ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں اس کے باوجود تم کرو، انہوں نے عرض کی، اس فیصلے پر مجھے کیا ملے گا؟ میں کیونکر فیصلہ کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے ٹھیک فیصلہ کیا تو تمہارے لئے دس نیکیاں ہیں اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور اس میں بھول چوک ہوئی تو تمہیں ایک نیکی ملے گی۔(۴۱)

اور عقبہ بن عامر سے بھی اسی طرح سے مروی ہے۔

شرائط صلح کی پابندی میں قیدی صحابیؓ کی فقہی بصیرت

صلح حدیبیہ ۶ ھ کے بعد حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ جب مشرکین کے چنگل سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے تو صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق قریش نے دو آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے۔انہوں نے مطالبہ کیا کہ حضور اکرم ﷺ شرط کے مطابق ابوبصیرؓ کو واپس کریں۔رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس کیا، جب مدینہ سے باہر نکلے تو ابوبصیرؓ نے ان میں سے ایک کو جان سے مار ڈالا اور دوسرا بھاگ کر واپس حضور اکرم ﷺ کے پاس آ گیا اور ابوبصیر کے کارنامے کی خبر کی، ابوبصیرؓ سیف البحر (ساحل سمندر) جا پہنچے۔یہ خبر جب مکہ میں کچھ مسلمانوں کو لگی تو وہ بھی ابوبصیرؓ سے جا ملے اور مشرکین پر حملے شروع کئے۔(۴۳)

ابوبصیرؓ اور ان کے ساتھی یہ کام اپنے اجتہاد سے کرتے رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی نکیر اور گرفت نہیں کی اس لئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدود و شرائط سے خارج تھے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ کے مسلمانوں کو جو خط ابوبصیرؓ سے جا ملنے کے لئے لکھا تھا وہ حضور اکرم ﷺ کی اجازت سے نہیں لکھا تھا۔حضور اکرم ﷺ نے اس پر نکیر بھی نہیں کی۔اور نہ حضرت ابوبصیرؓ کے کافر کو قتل پر کوئی گرفت کی اور نہ ان کے قیام ساحل سمندر پر کوئی باز پرس کی۔اور نہ ان سے جا ملنے والوں پر کچھ گرفت کی، اس لئے کہ یہ ان کی فقہی بصیرت اور اجتہادی فکر و نظر کا نتیجہ و ثمرہ تھا اور درست تھا۔

نماز کی امامت میں فقہی بصیرت

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: قوم و قبیلے میں جو سب سے بڑا قاری ہو وہ امامت کرے اور قرأت میں سب برابر ہوں تو جو ان میں سنت کا سب سے بڑا عالم ہو وہ امامت کرے،

چنانچہ دو ہم رتبہ اور قریب قریب میں سے ایک کو زیادہ بڑا قرار دینا اجتہادی امر ہے۔(۴۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا کہ تم اپنی کمزور قوم کے امام ہو، لہٰذا کمزور ترین کی اقتدا کا خیال رکھو، کمزور ترین کو جاننا اجتہادی طریقے سے ہی ہو سکتا ہے۔(۴۵)

نماز میں شک اور فقہی بصیرت سے فیصلہ

اسی طرح نماز کے اندر شک میں مبتلا شخص کا ظنِ غالب پر عمل کرنا یہ بھی ایک اجتہادی امر ہے۔

امان وسفارش

اسی طرح حضرت عثمانؓ کے دودھ شریک بھائی عبداللہ بن ابی سرح کا واقعہ ہے جن کے قتل کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دیا پھر بھی حضرت عثمانؓ نے انہیں ''امان'' دی اور انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاکر بیعت کی سفارش کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ اس خیال سے کہ اس کے قتل کا حکم دیا جا چکا ہے کوئی اسے آ کر قتل کر دے کچھ دیر رکے رہے۔ جب کوئی آگے نہ بڑھا تو رسالتمآب ﷺ نے اس کو بیعت کر لیا۔

حضرت عثمانؓ کی ''امان دہی اور سفارش'' اجتہادی کام تھا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان پر نکیر نہیں کی۔(۴۶)

میدان جنگ میں انتخاب امیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ ۸ ھ میں لشکر روانہ کیا تو فرمایا تھا کہ جعفرؓ بن ابی طالب (۸ ھ/ ۶۲۹ ء) شہید ہو جائیں تو زید بن حارثہؓ (۸ ھ/ ۶۲۹ ء) کو امیر لشکر بنایا جائے یہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ (۸ ھ/ ۶۲۹ ء) کو امیر بنایا جائے، یہ بھی شہید ہو گئے تو لشکر بغیر امیر لشکر رہ گیا، یہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اپنی فقہی بصیرت سے حضرت خالد بن ولیدؓ (۲۱ ھ/۶۴۲ ء) کو امیر لشکر چن لیا، جب دربار رسالت ﷺ میں اس امر کی اطلاع کی گئی تو رسول اکرم ﷺ نے اس اجتہادی عمل کو درست قرار دیا۔(۴۷)

طہارت میں پانی پر قادر نہ رہنے میں فقہی رہنمائی

اسی طرح غزوۂ ذات السلاسل ۷ یا ۸ ہجری میں سردی کی رات، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو احتلام ہو گیا، چنانچہ انہیں یہ ڈر ہوا کہ اگر میں نہایا تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔ تیمم کیا اور صبح (فجر) کی نماز پڑھائی صحابہ کرامؓ نے اس واقعہ کا تذکرہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا:

یا عمرو صلیت باصحابک وانت جنب ؟

اے عمرو! تم نے احتلام کی حالت میں اپنے رفقا کو نماز پڑھادی؟

(حضرت عمرو فرماتے ہیں) نہ نہانے کی میں نے وجہ بتائی اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلاَ تَقْتُلُوآ اَنْفُسَکُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْماً O (۴۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قیاس شرعی کو تسلیم کیا، نہ کوئی گرفت کی نہ ملامت اور تقریراً آپ نے ان کے اجتہاد اور فقہی بصیرت کو درست قرار دیا۔ (۴۹)

یہاں حضرت عمرو بن العاصؓ نے جان کی ہلاکت کی صورت کو تیمم کے جواز کی صورت پر قیاس کیا، کیونکہ دونوں صورتوں میں علت مشترکہ پانی کے استعمال پر قادر نہ رہنا ہے۔ (۵۰)

عن ابی سعید رضی اللّٰہ عنہ ان رجلین تیمما و صلیّاثم وجداماء أ فی الوقت فتوضأاحدھما و عادلصلاتہ ماکان فی الوقت ولم یعد الاخر فسألا النبی ﷺ فقال للذی لم یعد اصبت السنة و اجزاتک صلاتک وقال للاخر امااانت فلک مثل سھم جمع۔ (۵۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخصوں نے تیمم کر کے نماز پڑھی، پھر وقت کے رہتے رہتے پانی مل گیا، ایک نے وضو کر کے نماز لوٹائی اور دوسرے نے نماز نہیں لوٹائی۔ پھر ان دونوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں جا کر یہ واقعہ بیان کیا، اور اس کے متعلق حکم پوچھا۔

جس شخص نے نماز نہیں لوٹائی، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے

سنت کے مطابق عمل کیا، تم نے جو نماز پڑھی وہ کافی ہوگئی، اور دوسرے شخص سے فرمایا تم کو ثواب کا پورا حصہ ملے گا، یعنی تم نے دونوں نمازوں کا ثواب پایا۔ (اس نے اپنے اجتہاد کی وجہ سے دوہرا اجر پایا)۔

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال قال النبیّ صلی اللّٰہ علیه وسلم یوم الاحزاب لا یصلّین احد العصر الا فی بنی قریظة فادرک بعضهم العصر فی الطریق، فقال بعضهم لا نصلّی حتّٰی تأتیها، وقال بعضهم بل نصلی لم یردمنّا، ذالک، فذکر ذالک للنبیّ ﷺ فلم یعنّف واحدا منهم۔ (۵۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق ۵ھ میں (جب جنگ ہو چکی) یوں فرمایا تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنی قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے۔ اب نماز کا وقت راستے میں آ پہنچا۔ تو بعض نے کہا ہم تو جب تک بنی قریظہ کے پاس نہ پہنچ لیں گے۔ عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے۔ اور بعض نے کہا ہم نماز پڑھ لیتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم نماز قضا کریں پھر بارگاہ رسالت ﷺ میں اس واقعہ کا ذکر آیا، رسول اللہ ﷺ نے کسی پر خفگی نہیں کی، ہر ایک کے عمل کو درست قرار دیا۔

عہدِ رسالت میں دو مجتہد کی اجتہادی آرا

نماز کا وقت راستے میں ہوگیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں دو جماعت ہوگئیں، ایک نے راستے میں وقت پر نماز ادا کی، اور دوسری جماعت نے بنی قریظہ میں وقت نکل جانے کے بعد نماز پڑھی، دونوں کا انداز فکر و نظر جداگانہ تھا۔ ایک جماعت کی رائے تھی کہ نماز وقت پر ادا کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا نماز کا وقت راستے میں آ گیا ہے۔ یہیں ادا کرنا ہے۔ دوسری جماعت نے بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھی۔ دونوں کی نیت بخیر تھی، اس لئے کسی پر ملامت و گرفت نہ کی۔

اس انداز تربیت سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مجتہد ہر اس مسئلے میں جس میں نص موجود نہ ہو،

اپنی فقہی بصیرت پر عمل کرسکتا ہے اس کی رائے درست نہ ہو تو بھی اس سے مواخذہ نہ ہوگا، بلکہ حق کی جستجو میں جو کوشش کی ہے اس کا ایک اجر ملے گا جیسا کہ دوسری حدیث سے ثابت ہے۔ (۵۳)

قاضی عیاض مالکیؒ حدیث مذکور کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

قال الامام: هذا فيه دلالة على أن الأثم موضوع في مسائل الفرع و ان كل مجتهد غير ملوم فيما اذّاه اجتهاده اليه بخلاف مسائل الأصول وكان هؤلا لمّا تعارضت عندهم الأدلّة فالأمر بالصلاة لو قتها يوجب تعجيلها قبل وصول بني قريظة و الأمر بألايصلي إلاَّ في بني قريظة يوجب التأخير وإن فاتت الوقت فايّ الظاهرين يقدم وأيّ العمومين يستعمل؟ هذا موضع الإشكال وللنظر فيه مجال۔

قال القاضي: مفهوم مراد النبي صلى اللّٰه عليه وسلم الاستعجال الى بني قريظه دون التواني لا قصد تأخير الصلاة نفسها فمن اخذ بالمفهوم صلّى حين خاف فوات الوقت، ومن اخذ بظاهر اللفظ أخّر ففيه حجة للقائلين بالظاهر وللقائلين بالمفهوم۔ (۵۳)

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ فروعی مسائل میں (مجتہد سے) بھول چوک معاف ہے۔اور ان فروعی مسائل میں سے جس مسئلے (کے نتیجے) تک مجتہد کا اجتہاد اسے پہنچائے، اس میں مجتہد کی ملامت وگرفت نہیں کی جائے گی، اس کے برعکس اصول کے مسائل (یعنی عقائد) میں معاف نہیں۔اور یہ مذکورہ بالا صورت میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں دلائل متعارض ہوگئے، چنانچہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنے کا حکم تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نماز کو بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے ادا کیا جائے۔اور أن لا یصلی إلاّفی بنی قریظۃ کا حکم اس امر کو چاہتا ہے نماز وقت نکلنے کے

E.y.mar os\Alser

بعد بنی قریظہ میں پڑھی جائے ۔تو کون سے ظاہر کو مقدم کیا جائے، اور کون سے عام پر عمل کیا جائے؟

قاضی عیاض رحمہ اللہ المتوفی ۵۴۴ھ نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد بنی قریظہ تک پہنچنے میں جلدی کرنا تھا نفس نماز کو مؤخر کرنا اس میں سستی اور کوتاہی کرنا مراد نہ تھا ۔جس نے اس مفہوم کو لیا اس نے نماز کے فوت ہونے کے اندیشے سے نماز وقت میں ادا کی اور جس نے ظاہر لفظ کو لیا، مقصود کو نہ سمجھا اس نے اس پر عمل کیا اور نماز مؤخر کی ،تو اس حدیث میں دونوں مکاتب فکر کی دلیل موجود ہے ۔جو مکتب فکر ظاہری الفاظ پر عمل کا قائل ہے ۔اس کی بھی دلیل ہے اور جو مکتبہ فکر منشا و مقصد (بات کی تہہ تک پہنچنے)کا خوگر ہے اس کی بھی دلیل موجود ہے ۔

امام محی الدین یحییٰ بن شرف نووی (المتوفی ۶۷۶ھ)فرماتے ہیں:

أمّا اختلاف الصحابة بالمبادرة بالصلوة عند ضيق و قتها وتأخير، فسببه أن أدلّة الشرع تعارضت عندهم بأن الصلوٰة مامور بهافي الوقت مع أن المفهوم من قول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لا يصلين أحد العصر الاّ في بني قريظة، المبادرة بالذهاب اليهم وأن لا يشتغل عنه بشئى لا أنّ تاخير الصلوة مقصود في نفسه من حيث أنّه تاخير، فأخذبعض الصحابة بهذا المفهوم نظراً الى المعنىٰ لا إلى اللفظ، فصلّوا حين خافوا فوت الوقت، واخَذ اخرون بظاهر اللفظ و حقيقته فاخروها ولم يعنّف النبي صلى اللّٰه عليه وسلم واحدا من الفريقين لانهم مجتهدون، ففيه دلالة لمن يقول بالمفهوم والقياس و مراعاة المعنى، ولمن يقول بالظاهر ايضاً، وفيه أنه لا يعنّف المجتهد فيما فعله باجتهاده، اذابذل وسعه في الاجتهاد ۔(۵۵)

نماز کا وقت تنگ ہو جانے کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم میں نماز اپنے وقت میں ادا کرنے، یا اس میں اتنی دیر کرنے میں کہ قضا پڑھنی پڑے اختلاف ہوا۔ اس اختلاف کا سبب یہ تھا کہ شریعت کے دلائل ان کی نظر میں متعارض ہو گئے۔ اس طرح کہ نماز کو وقت پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہاں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد:

لایصلین احد العصرَأو الظہر الأفی بنی قریظۃ۔ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ: بنی قریظہ کی طرف جانے میں جلدی کی جائے اور جلدی پہنچنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔ محض نماز کی تاخیر مقصود نہیں، لہٰذا بعض صحابہؓ نے ''لایصلین '' کے معنی ومنشاء کے پیش نظر وقت پر نماز پڑھی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور بنی قریظہ میں جا کر قضا نماز پڑھی۔

> اس واقعے کا ذکر جب بارگاہ رسالت ﷺ میں کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی فریق پر نہ گرفت کی نہ ملامت کی، کیونکہ ہر فریق نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا، اس لئے اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ا۔ظاہر الفاظ پر اور ۲۔قیاس رائے پر عمل کرنا۔ یہ دونوں درست ہیں۔
>
> چنانچہ اس حدیث میں ان لوگوں کی بھی دلیل پوشیدہ ہے۔ جو اجتہاد وقیاس کے قائل ہیں۔ اور معنی ومنشا کا خیال رکھتے ہیں اور اس فریق کی بھی دلیل موجود ہے۔ جو ظاہر الفاظ پر عمل پیرا رہتے ہیں، نیز اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مجتہد کو اس کے اجتہاد پر عمل کرنے میں ملامت نہیں کی جائے گی، جب کہ اس نے حق کی جستجو میں اپنی پوری کوشش کی ہو۔

اس حدیث پر علامہ ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ/۱۲۹۱ء) نے سیر حاصل بحث کی ہے وہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

> فقہا کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ ان دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق زیادہ حق سے قریب رہا ہے؟ فقہا کی ایک جماعت کہتی ہے: کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز مؤخر کی، وہ اپنے اجتہاد میں حق سے قریب رہے۔ اگر ہم ان کے ساتھ ہوتے تو ہم بھی ایسا کرتے، جیسے انہوں نے نماز مؤخر کی، اور ہم بھی بنی قریظہ میں نماز پڑھتے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم: لایصلین أحد العصر إلاّ فی بنی

قریظۃ۔ پر عمل پیرا رہتے فی الفور نماز نہ پڑھتے۔اور فقہا کی دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ نہیں بلکہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے راستے میں اپنے وقت پر نماز پڑھی، انہوں نے سبقت کی فضیلت حاصل کی، اور دونوں فضیلتوں سے سرفراز ہوئے، اس لئے کہ انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو: ا۔جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کی ۔۲۔اور اپنے وقت پر نماز پڑھنے میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کی خاطر جلدی کی ۔۳۔پھر قوم کے ساتھ جا ملنے میں بھی جلدی کی۔تو انہوں نے جہاد کی فضیلت بھی پائی، نماز کو اپنے وقت میں پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کو پانے میں بھی کامیاب رہے یہ جماعت دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ فقیہہ نکلی اور خاص کر یہ نماز تو عصر کی نماز تھی، اور یہی صلاۃ الوسطیٰ ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صحیح صریح نص کی وجہ سے، جس کا کوئی معارض نہیں اور اس میں کوئی طعن بھی نہیں۔نماز عصر کی پابندی کرنے اس میں تاخیر نہ کرنے، اس کو جلدی پڑھنے کے متعلق حدیث میں تاکید آئی ہے۔ اس کے متعلق یہ حدیث بھی موجود ہے کہ جس سے یہ نماز فوت ہوئی تو گویا کہ اس کے اہل وعیال اور مال سب برباد ہو گئے، اس کا عمل ضائع ہو گیا۔پس جو تاکید اس نماز کے متعلق آئی ہے اس جیسی تاکید اس کے سوا دوسری نمازوں کے متعلق نہیں آئی۔بہر حال! جن حضرات نے نماز مؤخر کی ان کے پاس بھی نماز مؤخر کرنے کا عذر موجود ہے۔ان کو ایک اجر ملے گا، یہ اس لئے ملا کہ انہوں نے ظاہر نص کو نہیں چھوڑا ان کی غرض اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل تھی اسی لئے حق تک رسائی میں ان دونوں میں سے کوئی بھی خطا کار نہیں۔ بلکہ جن صحابہؓ نے راستے میں نماز پڑھی، انہوں نے دونوں دلائل میں موافقت اور تطبیق کی دونوں فضیلتوں کو حاصل کیا۔اس لئے ان کے لئے دوہرا اجر ہے اور دوسرے حضرات بھی اجر کے مستحق ہیں۔(۵۶)

آپ نے دیکھا کہ جس جماعت نے نماز وقت پر ادا کی اس نے اپنی فقہی بصیرت سے گوناگوں اجر کس خوبی سے سمیٹے! یہی وہ راز ہے جس کی بناء پر فقیہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب و پسندیدہ ہوتا ہے۔اور اس کا مرتبہ دوسروں سے بلند تر رہتا ہے۔

رسول ﷺ کا اپنی رائے کے بجائے صحابہؓ کی رائے سے اتفاق

ان الامر لما ضاق على المسلمين في حرب الاحزاب، وكان في الكفار قوم من اهل مكة عونا لهم رئيسهم عيينه بن حصن الغزاري، ابوسفيان بن حرب، بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم الى عيينة وقال: ارجع انت و قومك ولك ثلث: ثمار المدينة، فأبى ألاّ إن يعطيه نصفها فاستشار في ذلك الانصار و فيهم سعد بن معاذ و سعد بن عبادة رئيسا الأوس والخزرج فقالا: هذا شيئ أمرك الله به أم شيئ رأيته من نفسك قال، لا بل رائي رائيته من عند نفسي، فقالا: يا رسول الله لم ينالوا من ثمار المدينة الابشراء او بقرى فاذا اعزنا الله بالاسلام لا نعطيهم الدنيه، فليس بيننا و بينهم الّا السيف، و فرح بذلك رسول الله ﷺ ثم قال للذين جاؤا بالصلح : اذهبوا فلا تعطيهم الا السيف (۵۷)

غزوہ احزاب میں مسلمانوں پر جب جنگ کا معاملہ پریشان کن ہوگیا اور کفار (کے لشکر) میں مکہ کے لوگوں کی ایک جماعت ان کی معاونت کررہی تھی ان کے سردار عیینہ بن حصن اور ابوسفیان بن حرب تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ کے پاس (ایک قاصد) بھیجا اور فرمایا: تو اور تیری قوم (کفار کی نصرت و مدد چھوڑ کر) مکہ لوٹ جائے تو تمہارے لئے مدینہ کے پھلوں کا تیسرا حصہ ہوگا تو اس نے صاف انکار کردیا، مگر یہ کہ آپ ہمیں آدھے پھل دیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں انصار سے مشورہ کیا اور ان میں قبیلہ اوس وخزرج کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما بھی تھے تو ان دونوں نے حضور سے پوچھا اس بات کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے؟ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: نہیں، بلکہ یہ میری اپنی رائے ہے۔ تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ان مکہ والوں کو خرید و فروخت اور مہمانداری کے علاوہ مدینہ کے پھل نہیں ملے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی ہے تو ہم ان کو گئی گزری چیز بھی نہیں دیں گے، ہمارے اور ان کے درمیان میں (فیصلہ کن چیز) صرف تلوار ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ان کی) اس بات سے مسرور ہوئے پھر ان کی طرف سے صلح کے لئے آئے ہوئے لوگوں سے کہا: جاؤ، اب تو ہم ان کا تلوار ہی سے فیصلہ کریں گے۔

رائے کے استعمال پر اظہارِ مسرت

عن رجال من أصحاب معاذ: أنّ رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم لمّا بعثه إلى اليمن، قال: كيف تقضي؟ قال: بكتاب اللّٰه عزّوجل قال: فإن لم تجد في كتاب اللّٰه؟ فقال: بسنّة رسول اللّٰه ﷺ قال: فإن لم يكن في سنة رسول اللّٰه؟ قال: أجتهد برأيي، فقال: الحمد لِلّٰه الذي وفق رسول رسول اللّٰه لِما يُحبّه رسول اللّٰه، فأجاز له الا جتهاد فيها لا نصّ فيه۔

ومن جهة أخرىٰ أنّ هذا الخبر قدتلقاه النّاس بالقبول، واستفاض، واشتهر عندهم من غير نكيرمن أحدمنهم على روانه، ولا ردّله وايضاً: فإن أكثر أحواله أن يصير مرسلاً، والمرسل عند نامقبول۔ (۵۸)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جب یمن کی طرف (قاضی بنا کر) بھیجا تو پوچھا! (جب تمہارے سامنے کوئی مسئلہ آئے گا) کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا: کتاب اللہ کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا! اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ عرض کی! رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا! اگر سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ملے؟ عرض کی

اپنی رائے و اجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔ تو سرورکونین ﷺ نے (اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے) فرمایا: جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول وسفیر ایسی چیز کی توفیق عنایت فرمائی جس کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے ان کو غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اجازت عطا کی تھی، اس حدیث کو عوام وخواص میں قبول عام حاصل ہے اور اہل علم کے یہاں اس حدیث کو بغیر کسی انکار و رد کے شہرت حاصل ہے۔ نیز (یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے) کہ بیشتر راویوں نے اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے اور مرسل ہمارے (حنفیہ) کے یہاں مقبول اور قابل حجت ہے۔

حضرت معاذؓ کے ارشاد اجتہد برائی کی تشریح صحیح البخاری وسنن ابی داؤد کے اولین شارح امام ابوسلیمان الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے ان الفاظ میں کی ہے۔

قال الخطابی اجتهد رائی یرید الا جتهاد فی ردالقضیة من طریق للقیاس إلی معنی الکتاب والسنة ولم یرد الرائی الذی یسخ له من قبل نفسه اویخطر بباله من غیر أصل من کتاب أوسنّة وفی هذااثبات القیاس وایجاب الحکم به (۵۹)

''اجتہد رائی'' سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مراد وہ اجتہاد ہے جس میں قیاس کے ذریعہ غیر منصوص مسئلے کے حکم کو قرآن وسنت کے معنی ومنشاء کی طرف لوٹایا جائے۔ نہ کہ اس رائے کی جو محض نفسانی خواہش کی بنا پر ظاہر ہو۔ یا وہ رائے جو قرآن وسنت کی اصل کے بغیر یوں ہی دل میں کھٹکنے لگے۔ یہ حدیث قیاس کے ثبوت کی دلیل ہے۔ نیز اس امر کی دلیل ہے کہ قیاس جو حکم ثابت کرتا ہے اس پر عمل کرنا ضروری اور واجب ہے۔

فقہا محدثین میں حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کے ماخذ وسند کے متعلق فرماتے ہیں۔

هذا الحدیث فی المسند والسنن باسناد جید۔ (۶۰)

بہ حدیث مسند احمد اور سنن کی کتابوں میں عمدہ سند کے ساتھ آئی ہے۔

فقہی بصیرت سے صحابۂ کرامؓ کی آراستگی

اکثر و بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صفت سے آراستہ تھے۔ اور اس صفت کے اصل مصداق رسول ﷺ کے صحابہؓ ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابو اسحاق شیرازی شافعی المتوفی ۴۷۶ھ "طبقات الفقہاء" میں رقم طراز ہیں:

اعلم أن أكثر أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الذين صحبوه و لازموه، كانوا فقهاء وذلك أن طريق الفقه في حق الصحابة (رض) خطاب الله عزوجل، و خطاب رسول (صلى الله عليه وسلم) وعقل منهما و أفعال رسول الله صلى الله عليه وسلم وماعقل منها فخطاب الله عزوجل هو القرآن الكريم وقدأنزل ذلك بلغتهم على أسباب عرفوها وقصص كانوا فيها فعرفوا مسطوره، ومفهومه، ومنصوصه، و معقوله، ولهذا قال أبوعبيد في كتاب المجاز:

لم ينقل أن احداً من الصحابة رجع في معرفة شئي في القرآن الكريم إلى رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وخطاب رسول الله (صلى الله عليه وسلم) أيضاً بلغتهم يعرفون معناه ويفهمون مبهمه وفحواه، وأفعاله هي التي فعلهامن العبادات و المعاملات والسير والسياسات وقد شاهدوا ذلك كله، وعرفوه، وتكرر عليهم، و بحيروه ولهذا قال صلى الله عليه وسلّم أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم ولان من نظرفيما نقلوه عن رسول الله (صلى الله عليه وسلّم) من أقواله وتأمل ماوصفوه من أفعاله في العبادات وغيرها اضطروه إلى العلم بفقهم و فضلهم،

osIAlser

غیر أن الذی اشتهر منهم بالفتاوی والأحکام وتکلم فی الحلال والحرام جماعة مخصوصة۔ (۲۱)

اس حقیقت کو سمجھو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر و بیشتر صحابی جنہوں نے ان کی صحبت اٹھائی اور ان سے وابستہ رہے، وہ سب فقیہ ہیں اور بلا شبہ یہ فقہ (شریعت کو سمجھنے سمجھانے) کا طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں آیا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خطاب (اوامر و نواہی) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے جو کچھ سمجھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اعمال او رتقریرات (معرض بیان میں آپ ﷺ کے سکوت کرنے اور نکیر نہ کرنے) کو جانا اور سمجھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے۔ وہی قرآن کریم ہے۔ جو انہی کی زبان میں ہے۔ ان اسباب کی وجہ سے جنہیں یہ جانتے اور ان واقعات کے تحت جو ان کے سامنے پیش آئے تھے یہ ان سے واقف تھے، اتارا گیا انہوں نے نوشتۂ وحی کو سمجھا اس کے منشاء و مطلب کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس کے صریح اور غیر صریح احکام کو سمجھا۔ ابوعبید قاسم بن سلام (المتوفی ۲۲۴ھ) نے ''کتاب المجاز'' میں کہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی سے منقول نہیں کہ اس نے قرآن کی کسی صریح و صاف بات کو سمجھنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ان سے انہی کی زبان میں ہوتا تھا وہ اس کے معانی و مطالب کو جانتے اس کی مبہم بات کو سمجھتے تھے۔ اس کے مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال جن کا تعلق عبادات، معاملات، عادات و اطوار اور سیاسات سے ہے، ان سب کا انہوں نے مشاہدہ کیا، دیکھا، اور سمجھا تھا۔ اور جو باتیں ان کے سامنے بار بار آتی تھیں ان کی گہرائی تک پہنچتے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا:

أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم۔

(میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی طرح رہنما ہیں تم جس کی پیروی کرو گے رہنمائی پاؤ گے۔) اس لئے جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے نقل کئے ہیں غور و فکر کرے گا اور ان اعمال میں جن کا تعلق عبادات وغیرہ

سے ہے، نقل کرے گا وہ ان کے علم و دانش، فہم و فراست اور فضل و کمال کی طرف اپنے آپ کو مجبور و محتاج پائے گا، یہ اور بات ہے کہ ان اکثر و بیشتر صحابہ رضی اللہ عنہم میں وہ صحابہ جنہیں فتویٰ دینے، حلال و حرام سے بحث کرنے (اور مشکل مسئلوں کا حل نکالنے) میں شہرت حاصل تھی وہ ایک مخصوص جماعت تھی۔

عہدِ رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد

عہدِ رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی کل تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔(۶۲) ان میں اکثر و بیشتر فقیہ تھے۔ لیکن ہر ایک صحابیؓ مجتہد نہ تھا اور نہ وہ اپنے آپ کو فتویٰ دینے کا اہل سمجھتا اور نہ اسلامی معاشرے میں اس کو اس اہم ذمہ داری کا اہل سمجھا جاتا تھا۔

مجتہدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اوپر تصریح گزر گئی ہے کہ صحابہؓ کی مذکورۂ بالا تعداد میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے بکثرت فتویٰ منقول ہیں ایسے کل سات مجتہد صحابی ہیں اور جن سے کم فتوے منقول ہیں وہ تیرہ مجتہد صحابیؓ ہیں۔ اور جن سے کم تر صرف ایک دو فتوے منقول ہیں وہ ایک سو بیس ہیں۔ اگر صحابہ کرامؓ کی کل تعداد میں صرف سات ہی سربرآوردہ مجتہدین کو شمار کیا جائے تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ سولہ ہزار دو سو پچاسی صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت میں صرف ہمیں ایک ہی عظیم ترین مجتہد نظر آتا ہے۔

اور اگر ان تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن کے فتوے کم منقول ہیں ان سات عظیم ترین مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جن سے بکثرت فتوے منقول ہیں، ملائیں تو ان عظیم ترین اور عظیم تر سب کی تعداد بیس ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پانچ ہزار سات سو کی جماعت میں ہمیں ایک مجتہد ملتا ہے۔

مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین طبقات

علامہ ابن حزم المتوفی ۴۵۶ھ نے عہدِ صحابہؓ میں مجتہدین صحابہؓ کے تین طبقات بیان کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

لم ترو الفتيا في العبادات والاحكام الاّ عن مائة ونيف وثلاثين

منهم فقط من رجل و امراة بعد التقصي الشديدة ۔ (۲۳)

عبادات اور ایسے مسائل میں جن میں شریعت کا حکم درکار ہوتا ہے فتوے دینے والے صحابی اور صحابیہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا بہت چھان بین کے بعد پتہ لگ سکا ہے ۔ان کی تعداد ایک سوتیس سے کچھ اوپر ہے، ان مجتہدین صحابہؓ کے تین طبقات ہیں ۔

۱۔ پہلا طبقہ **مکثرین** صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے ۔یہ وہ ارباب فتویٰ صحابی ہیں جن کے فتووں کی سنن و آثار کی کتابوں میں اتنی کثرت اور بہتات ہے کہ انہیں یکجا کیا جائے تو ایک بڑی موٹی جلد تیار ہو جائے ۔

۲۔ دوسرا طبقہ متوسطین صحابہؓ کا ہے یہ ان ارباب فتویٰ صحابہؓ کا طبقہ ہے جن کے فتووں کی کتب و آثار و سنن میں اتنی کثرت نہیں کہ موٹی سی ایک کتاب بن جائے لیکن اتنی تعداد ضرور منقول ہے کہ ان سے ایک رسالہ ترتیب پا جائے ۔

۳۔ تیسرا طبقہ مقلین کا ہے یہ ان ارباب فتویٰ صحابہؓ کا طبقہ ہے جن سے اتنے فتوے بھی حدیث کی کتابوں میں منقول نہیں کہ ایک چھوٹا موٹا رسالہ ہی بنایا جا سکے ۔بس ایک دو فتوے ہی منقول ہیں وہ ایک جز (ایک یا دو ہی ورق) میں آ جائیں گے ۔

چنانچہ علامہ ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں کہ:

مکثرین: کثرت سے فتوے دینے والے سات ارباب فتویٰ صحابی یہ ہیں،

۱۔ام المومنین حضرت عائشہؓ، ۲۔حضرت عمر بن الخطابؓ ان کے فرزند، ۳۔حضرت عبداللہؓ، ۴۔حضرت علیؓ بن ابی طالب، ۵۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ۶۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ۷۔حضرت زید بن ثابتؓ ہیں اور یہ سات صحابہؓ ہیں ان میں سے ہر ایک کے فتووں کو جمع کیا جائے تو وہ ایک موٹی کتاب بن جائے ،ابو بکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب بن امیر المومنین مامون نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے فتووں کو جمع کیا تو وہ بیس کتابوں میں یکجا ہوئے تھے، ابو بکر محمد جس کا ذکر اوپر آیا ہے یہ علم فقہ و حدیث میں آئمہ اسلام میں سے ایک تھے ۔

متوسطین میں وہ ارباب فتویٰ صحابی ہیں جن سے زیادہ فتوے منقول نہیں ان میں:

۱۔ام المومنین حضرت ام سلمہؓ، ۲۔حضرت انس بن مالکؓ، ۳۔حضرت ابوسعید خدریؓ، ۴۔حضرت ابو ہریرہؓ، ۵۔حضرت عثمان بن عفانؓ، ۶۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، ۷۔حضرت

عبداللہ بن زبیرؓ، ۸۔ابوموسیٰ اشعری، ۹۔معاذ بن جبلؓ، ۱۰۔حضرت ابوبکر الصدیقؓ، ۱۱۔حضرت سعد بن الوقاص، ۱۲۔حضرت سلمان فارسی، ۱۳۔جابر بن عبداللہ شامل ہیں یہ تیرہ ۱۳ رصحابیؓ ہیں۔

ان میں سے ہر ایک کے فتوے اگر جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹا رسالہ بن جائے گا۔انہی میں ۱۔حضرت طلحہؓ، ۲۔حضرت زبیرؓ، ۳۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ۴۔حضرت عمران بن حصینؓ، ۵۔حضرت ابوبکرؓ، ۶۔حضرت عبادہ بن الصامتؓ، ۷۔حضرت معاویہ بن سفیانؓ کے ناموں کو اور بڑھایا جائے (تو ۱۳ میں سات کا اور اضافہ کیا جائے تو متوسطین کی تعداد بیس تک پہنچ جائے گی اس صورت میں مکثرین اور متوسطین کی مجموعی تعداد ستائیس ہو جائے گی)

باقی سب مقلین وہ صحابی ہیں جن میں ہر ایک سے ایک دو فتوے ہی منقول ہیں اور وہ بہت مختصر ہیں، ورق دو ورق سے زیادہ نہیں ہیں، ان سے ہر ایک کے فتووں کا بہت مختصر جزء بنے گا۔(۶۴) مکثرین، متوسطین صحابہؓ کی مجموعی تعداد کے پیش نظر علامہ ابن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ نے شرح فتح القدیر میں لکھا ہے:

لا تبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم اكثر بن عشرين (۶۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مجتہدین صحابہؓ کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں پہنچتی ہے۔

ان ارباب فتویٰ صحابہ کی مجموعی تعداد ایک سو سترہ سے کچھ اوپر ہے۔ان میں ایک سو بیالیس ۱۴۲ رصحابیؓ اور بیس ۲۰ رصحابیہؓ ہیں۔جن کی مجموعی تعداد ایک سو باسٹھ ہی ہوتی ہے۔(۶۶) لیکن ڈاکٹر احسان عباس، ڈاکٹر ناصر الاسد کی تحقیق اور شیخ احمد محمد شاکر کی مراجعت کے ساتھ ابن حزم کا تیسرا رسالہ ''اسماء الفتیا من الصحابۃ ومن بعدہم علی مراتبہم فی کثرۃ الفتیا'' میں ارباب فتویٰ صحابہ وصحابیات کی مجموعی تعداد ۱۴۹ ر مذکور ہے، ہم نے اس نقص کو علامہ ابن حزم کی الاحکام ص ۹۳ سے مقابلہ کیا تو مجموعی تعداد تو درست نکلی لیکن صحابیات کی تعداد بیس نہیں بائیس ہے۔اس لحاظ سے صحابہؓ اور صحابیاتؓ کی مجموعی تعداد ایک سو چونسٹھ ۱۶۴ ہو جاتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ مسلم معاشرے میں جب کبھی اور جہاں کہیں نت نئے مسائل پیش آئے، اکثر و بیشتر انہی سات اکابر مجتہدین صحابہؓ میں کسی نہ کسی کے پاس جا کر مسئلہ کا حکم، اس کا حل اور جواب پوچھا جاتا تھا اور جس سے معلوم کیا جاتا وہ اپنی مجتہدانہ بصیرت سے کبھی فوراً جواب دے کر سائل کو عمل کا راستہ بتاتا تھا جیسا کہ کسی نے میراث کا ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ دوران خطبہ ہی حضرت علیؓ سے پوچھا، اور آپؓ نے اسی وقت اس کا حل بتایا وہ جواب آج بھی مسئلہ منبریہ کے نام سے مشہور ہے، کبھی سائل سے کہا

جاتا کہ بعد میں اس کا جواب دیا جائے گا، چنانچہ غور وفکر میں کبھی ایک مہینہ گزر جاتا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مہر اور میراث مفوضہ کے مسئلے کا جواب ایک مہینے کے بعد دیا تھا۔(۶۷) اور جب انہیں معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی جواب دیا تھا تو ایسی خوشی ہوئی تھی کہ زندگی میں عظیم کارنامے انجام دینے پر انہیں اتنی خوشی ومسرت نہیں ہوئی ہوگی، جتنی اس مسئلہ کے حل اور رسالت مآب ﷺ کے جواب کے ساتھ مطابقت وموافقت سے ہوئی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مجتہدین صحابہؓ فطرت میں کیسا عظیم اجتہادی ملکہ ودیعت کیا گیا تھا۔اور بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری، صحبت وخدمت نے صحابہؓ میں ایسا جلاونور بخشا تھا کہ مشکل سے مشکل مسئلے کو حل کرنا اور اس پر عمل کرنا انہیں آسان تھا۔ان اکابر مجتہدین صحابہؓ کی مجتہدانہ صلاحیت اور فقیہانہ بصیرت، مزاج شریعت سے مناسبت اور اس میں رسوخ وپختگی نے انہیں مرجع خلائق بنایا تھا، مسائل کے حل میں سب کی نگاہیں انہی کی طرف اٹھتی تھیں اور انہی کے بتائے ہوئے مسئلوں پر عمل کیا جاتا تھا۔ مذکورہ بالا مجتہدین صحابہؓ میں سے ہر مجتہد نے جن مسائل کو حل کیا یہ انفرادی اجتہادی مسائل کا ذخیرہ ہر مجتہد کے انداز فکر ونظر کا شاہد اس کی اجتہادی آراونظریات کا جامع اور اس کی اصابت رائے کا شاہکار ہے۔

مذکورہ بالا مجتہدین صحابہؓ کے اجتہادی کام کی ابتدا عہد رسالت میں مدینہ منورہ سے ہوئی جیسا کہ گزر چکا، پھر جیسے جیسے اسلامی قلمرو کی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، ان کی اجتہادی سرگرمیوں کا دائرہ بھی اسلامی مملکت کے مرکزی شہروں میں وسعت اختیار کرتا گیا، ان کی تعلیمی وتربیتی مساعی سے ان کے طلبہ اور شاگردوں میں اجتہادی سلیقہ پروان چڑھتا گیا، چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے اس بنیادی فریضے کو اسلامی قلمرو کے وسیع تر علاقے کے مرکزی شہروں میں انجام دینا شروع کیا۔

ان سات مجتہدین صحابہؓ کے جس مجتہدانہ کام کا آغاز عہد رسالت میں مدینہ سے ہوا تھا وہ سارے اسلامی قلمرو میں پھیلا اور ان مفکرین صحابہؓ کے اجتہادی کام کا سلسلہ عہد صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات پر ساتویں دہائی کے وسط میں اختتام پذیر ہوا اور ان کے نامور شاگردوں نے اس سلسلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، لیکن اس کا دائرہ انفرادی کوششوں تک محدود رہا، اور اسلامی قلمرو کی مقامی اور وقتی ضرورتوں کو پورا کرتا رہا، مگر شورائی نظام اجتہادی جس کا آغاز حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں کیا تھا وہ اکابر مجتہدین کے اسلامی قلمرو میں مامور کئے جانے سے زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔

عہدِ رسالت میں بعض صحابہؓ کی خدمتِ افتا

فتوے دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی تھا، قرآن میں اس کا ذکر ہے، **یستفتونک** (۶۸) صحابہؓ آپ ﷺ سے فتویٰ لیتے ہیں، شرعی حکم معلوم کرتے ہیں۔ چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فتویٰ دیتے تھے، آپ نے بعض مہاجر و انصار صحابہؓ کی بھی تربیت کی تھی اور وہ آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی اجازت سے فتویٰ دیتے تھے۔(۶۹) ان میں چھ صحابہؓ کو شہرت حاصل تھی، تین مہاجر اور تین انصار تھے، چنانچہ حضرت سہل بن ابی خیثمہ ساعدیؓ اپنے والد حضرت ابو خیثمہؓ سے نقل کرتے ہیں:

> **كان الذين يُفتون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة من، المهاجرين و ثلاثة من الانصار، عمر، و عثمان و على و اُبى بن كعب و معاذ بن جبل، و زيد بن ثابت۔ (۷۰)**
>
> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دیتے تھے ان میں تین حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم تھے۔ اور تین حضرت اُبی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم انصاری تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں مجھے احادیث وآثار کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ زمانۂ رسالت میں افتا کی خدمت انجام دینے والے صحابہ آٹھ تھے، میں نے انہیں دو شعروں میں نظم کیا ہے، وہ شعر یہ ہیں۔

> **وقد كان فى عصر النبى ثمانية**
> **يقومون بالإفتاء قومة قانت**
> **فاربعة أهل الخلافة، معهم**
> **معاذ، أبى، و ابن عوف، ابن ثابت (۷۱)**
>
> حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آٹھ صحابہ فتاویٰ دینے کا ایسا اہتمام کرتے جیسے کوئی فرمانبردار اطاعت الٰہی کرتا ہے، ان میں چار خلفاء راشدین حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم تھے اور ان کے ساتھ حضرت معاذ،

حضرت ابی بن کعب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

مورخ علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے کتاب المدہش میں عہدِ رسالت میں مفتیانِ صحابہؓ کی تعداد چودہ نقل کی ہے، موصوف کا بیان ہے:

من كان يفتي على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبوبكر و عمر و عثمان و علي و عبدالرحمٰن بن عوف و ابن مسعود و أبي و معاذ و عمار و حذيفه، و زيد بن ثابت و ابو الدردا و أبو موسىٰ و سلمان (۷۲)

عہدِ رسالت میں جو صحابہؓ فتوے دیتے تھے وہ ا۔حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان تیمی قرشی (۵۱ ق ھ۔۱۳ھ/ ۵۷۳ء۔۶۳۴ء)، ۲۔حضرت عمر (۴۰ ق ھ۔۲۴ھ/ ۵۸۴ء۔ ۶۴۴ء)، ۳۔حضرت عثمان (۴۷ ق ھ۔۳۱ھ/ ۵۷۷ء۔۶۵۶ء)، ۴۔حضرت علی (۲۳ ق ھ۔۴۰ھ/ ۶۰۰۔۶۶۱ء)، ۵۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۴۴ ق ھ ۔۳۲ھ/ ۵۸۰ء۔۶۵۲ء)، ۶۔حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی (۰۰۰۔۳۲ھ/ ..... ۔۶۵۳ء)، ۷۔حضرت ابی بن کعب الانصاری (۰۰۰۔۲۱ھ/ ۰۰۰۔۶۴۲ء)، ۸۔حضرت معاذ بن جبل خزرجی انصاری (۲۰ ق ھ۔ ۱۸ھ/ ۶۰۳۔۶۳۹ء)، ۹۔حضرت عمار بن یاسر (۵۷ ق ھ۔۳۷ھ/ ۵۶۷۔۶۵۷ء)، ۱۰۔حضرت حذیفہ بن الیمان (۰۰۰۔۳۶ھ/ ۰۰۰۔۶۵۶ء)، ۱۱۔حضرت زید بن ثابت خزرجی انصاری (۱۱ ق ھ۔۴۵ھ/ ۶۱۱۔۶۶۵ء)، ۱۲۔حضرت ابوالدرداء ویمر بن مالک (۰۰۰۔۳۲ھ/ ۰۰۰۔۶۵۲ء)، ۱۳۔حضرت ابوموسیٰ اشعری (۲۱ ق ھ۔۴۴ھ/ ۶۰۲۔۶۶۵ء)، ۱۴۔حضرت سلمان فارسی (۰۰۰۔۳۶ھ/ ۰۰۰۔۶۵۶ء) رضی اللہ عنہم تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں مجتہدین صحابہؓ کے فتووں پر عمل کیا جاتا تھا اور ان کی فقہی بصیرت وتقلید کو راہ نجات سمجھا جاتا تھا۔

os\Alser

خلافت راشدہ میں رائے اور فتووں پر عمل

خلافت راشدہ میں بھی رائے اور فتووں پر عمل کیا جاتا تھا چنانچہ فقہا سبعہ میں قاسم بن محمد بن ابی بکر المتوفی ۱۰۶ھ کا بیان ہے۔

ان ابابکر الصدیقؓ کان اذا نزل به امر یرید فیه مشاورة اهل الرای واهل الفقه، و دعا رجالا من المهاجرین والا نصار، عمر و عثمان و علیا و عبدالرحمٰن بن عوف و معاذ بن جبل و أبی بن کعب و زید بن ثابت، و کل هولاء یفتی فی خلافة أبی بکر، و انماتصیر فتوی الناس إلی هولاء، فمضٰی أبوبکر علی ذلک، ثم ولی عمر فکان یدعوهؤلاء النفر، وکانت الفتویٰ تصیر و هو خلیفة إلی عثمان و أبی و زید۔

بلا شبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جب کوئی نیا مسئلہ اور واقعہ پیش آتا وہ اس میں اہل الرائے اور اہل فقہ سے مشورہ لینے کا ارادہ فرماتے تو مہاجرین و انصار میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو بلاتے تھے۔

اور یہی لوگ خلافت صدیقی میں فتوے دیتے تھے۔ اور لوگوں کی طرف سے جو سوالات آتے وہ انہی کو پہنچائے جاتے تھے۔ یہ فتاوی کے مرجع تھے اور انہی کا فتویٰ چلتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں یہی معمول تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمرانی کا زمانہ جب شروع ہوا تو وہ بھی انہی لوگوں کو بلاتے تھے اور انہی کے فتووں پر عمل جاری تھا۔ اور فتوے حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو پہنچائے جاتے تھے۔

(حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے دور فرمانروائی میں یہ خود فتوے دیتے تھے)

عہد صحابہؓ میں چھ مجتہدین صحابہؓ کی آرا کی پیروی

امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ ''کتاب العلل'' میں بلند پایہ فقیہ و حافظ حضرت مسروق کا بیان نقل کرتے ہیں۔

عہد صحابہؓ میں چھ صحابہؓ ۱۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۴۰ ق ھ۔۲۴ھ/۵۸۴۔۶۴۴ء)

۲۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۰۰۰۔۳۲ھ/۰۰۰۔۶۵۲ء) ۳۔حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۲۳ ق ھ۔۴۰ھ/۶۰۰۔۶۶۱ء) ۴۔حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۰۰۰۔۲۱ھ/ ۰۰۰۔۶۴۲ء) ۵۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۱۱۔۴۵ھ/۶۱۱۔۶۶۵ء) ۶۔حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ (۲۱ ق ھ۔۴۴ھ/۶۰۲۔۶۶۵ء) فتویٰ دیتے تو ان کے قول پر بات ٹھہرتی ان میں تین صحابی اپنے قول اور فتوے کو صحابہؓ کے مقابلے میں چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمرؓ کے مقابلے میں اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت علیؓ کے مقابلے میں اور حضرت زید حضرت ابی بن کعبؓ کے مقابلے میں اپنی رائے اور فتویٰ سے دست بردار ہو جاتے تھے۔(۷۴)

اب یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تفقہ، فقہی بصیرت اور تفریع مسائل کا نام ہی رائے ہے۔عہد رسالت، خلافت راشدہ اور عہد صحابہ (۷۵) سے اس سنت پر عمل برابر جاری و ساری تھا۔

عظیم مجتہدین کی عظیم تر مجتہدین کے حق میں اپنی فقہی آرا سے دست برداری

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مذکورۂ بالا صورت میں ایک عظیم مجتہد کا دوسرے عظیم تر مجتہد کے مقابلے میں اپنی رائے کو چھوڑ کر دوسرے مجتہد کی رائے کو اختیار کرنا، اجتہاد کی ایک قسم ہے۔چنانچہ امام ابوالحسن الکرخی (۲۶۰۔۳۴۰ھ/۸۷۴۔۹۵۲ء) فرماتے ہیں۔

أن تقليد المجتهد لغيره ممن هو أعلم منه و ترک رأيه لرأيه ضرب من الاجتهاد في تقوية رأى الأخر في نفسه على رايه بفضل علمه و تقدمه و معرفة وجوه النظر والا ستدلال فلم، يحل في تقليده اياه من إن يكون مستعملا لضرب من الاجتهاد

یوجب عندہ رجحان قول من قلدہ۔ (۷۶)

بلا شبہ ایک مجتہد کا اپنے سے بڑے مجتہد و عالم کی تقلید کرنا اور اپنی اجتہادی رائے کو اس کی اجتہادی رائے کے مقابلے میں نظر انداز کرنا، دوسرے مجتہد کی رائے کو اپنی رائے کے مقابلے میں چھوڑنا دراصل اس کی اعلمی برتری اور علم میں اس کی پیش قدمی کی وجہ سے ہے۔۲۔اس کی وجوہ نظر کی معرفت اور استدلال کے پیش نظر ترجیح دینا، اور اس کی تقلید کرنا، اس امر سے خالی نہیں کہ وہ اجتہاد کی ایک قسم پر عمل پیرا رہا، جس نے اس امر کو اس کے خیال میں ضروری کر دیا کہ اس نے جس کی تقلید اختیار کی ہے اس کے قول کو اپنے قول پر ترجیح دے۔

چھ مجتہدین صحابہؓ میں سے تین صحابیؓ کوفی

چنانچہ مذکورہ بالا چھ علماء میں سے تین حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا شمار مجتہدین فقہا کوفہ سے ہے۔(۷۷) اور دوسرے تین حضرات علما و مجتہدین کا تعلق بقیہ اسلامی بلاد سے ہے۔

مذکورہ بالا چھ صحابہؓ کا شمار ان مجتہدین صحابہؓ میں ہے جنہیں فقہ و نظر میں بلند مقام حاصل تھا جو عہد رسالت میں بھی فتویٰ دینے کے اہل تھے اور فتویٰ دیتے تھے، چنانچہ مؤرخ ابن سعد ۱۶۸۔۲۳۰ھ نے ''طبقات الکبریٰ'' میں ایک مستقل باب:

ذکر من کان یُفتی بالمدینہ ویُقتدی بہ من أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم'

قائم کیا ہے اس میں ان مجتہدین صحابہؓ کو نام بنام گنایا ہے۔(۷۸)

مجتہدین صحابہؓ میں تین صحابہؓ پر ابواب احکام کی انتہا

امام بخاری کے استاد علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ہے کہ احکام سے متعلق صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تین صحابہ پر منتہی ہوا، انہی سے وہ علم سیکھا اور روایت کیا گیا۔

۱۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ۲۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ۳۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ان تین سے ہر ایک کے شاگرد تھے جو ان کے قول پر عمل کرتے اور لوگوں کو فتوے دیتے تھے۔(۷۹)

مذکورۂ بالا بیان سے بھی یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عہد صحابہؓ میں عوام الناس ان کے فتووں پر عمل پیرا رہتے تھے، غور فرمائیں کیا یہ تقلید شخصی نہیں؟

حضرت ابن مسعودؓ و زید بن ثابتؓ اور ابن عباسؓ کے شاگرد اپنے استادوں کے اقوال اور فتاویٰ کے مقلد و ناشر

مؤرخ علامہ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے بسندِ متصل علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ان الفاظ میں زینتِ کتاب کیا ہے۔

لم یکن من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أحد له أصحاب یقومون له بقوله فی الفقه ألاّ ثلاثة، عبداللّٰہ بن مسعود وزید بن ثابت و ابن عباس و کان لکل واحد منهم أصحاب یقومون لقوله و یفتون الناس۔ (۸۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں کوئی ایک صحابیؓ ایسا نہ تھا جس کے شاگرد فقہ میں اس کے اقوال پر جمے رہتے اور عمل کرتے اور اس کے فقہی مذہب کو اختیار کرتے ہوں۔مگر صرف تین صحابیؓ۔ ۱۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ۲۔حضرت زید بن ثابت اور ۳۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے شاگردان کے قول کو اختیار کرتے اور لوگوں کو اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ شیخ بخاریؒ، علی بن المدینیؒ سے ایک نامور مجتہد خلیفہ راشد حضرت علیؓ کا نام رہ گیا ہے ابواب احکام کی جن ائمہ مجتہدین پر انتہا ہوتی ہے وہ تین نہیں چار ہیں، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عہد صحابہؓ (پہلی صدی ہجری) میں مطلق تقلید ہی نہیں، تقلید شخصی کا بھی عوام میں رواج ہو چلا تھا۔

os\Alser

صحابہؓ کی مجلس کا موضوع سخن

صحابۂ رسول ﷺ مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے حکموں کے متعلق آپس میں بحث ومباحثہ کرتے رہتے تھے یہ فقہی بصیرت صحابہ کرامؓ کی طبیعت میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ صحابہؓ کی مجالس میں موضوع سخن ہی فقہی مسائل ہوتے تھے۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ المستدرک میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کرتے ہیں۔

اُصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذ اجلسوا کان حدیثھم معنی الفقہ إلاّ أن یقرأ رجل سورۃ او رجلا أن یأمر بقرأۃ سورۃ (۸۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم جب بیٹھتے ان کا موضوع سخن فقہ اور فقہی مسائل ہوتے تھے مگر یہ کہ کوئی صحابی کوئی سورت پڑھنی شروع کرتا یا کوئی صحابی کسی کو کوئی سورت کی تلاوت کی فرمائش کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی مجلس میں موضوع سخن فقہی مسائل ہوتے تھے یا پھر قرآن کی تلاوت ہوتی تھی۔

امام ابوبکر ابی جصاص المتوفی ۳۷۰ھ ''احکام القرآن'' میں فرماتے ہیں:

أن اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم مجتمعون فی المسجد یتذاکرون حوادث المسائل فی الاحکام۔ (۸۲)

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے حکموں کے متعلق آپس میں بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا صحابہؓ کو فقہی بصیرت حاصل کرنے کی ترغیب و تاکید اور اس سنّت متوارثہ پر قرآن وسنت کی رہنمائی

امام ابوبکر ابی جصاص المتوفی ۳۷۰ھ ''احکام القرآن'' میں رقمطراز ہیں۔

محمد سیرین (۳۳۔۱۱۰ھ/ ۶۵۳۔۷۲۹ء) احنف بن قیس (۰۰۰۔۶۷ھ/ ۰۰۰۔ ۶۸۶ء) سے وہ حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: قیادت و سیادت سے بہرہ مند ہونے سے پہلے فقہی بصیرت (اور مسائل کے حل کا فہم) حاصل کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے احکام میں مباحثہ کرتے تھے۔ (ان کے بعد) تابعین بھی اس طریقے و روش پر گامزن رہے اور ان کے بعد آنے والے فقہا کا ہمارے زمانے (۳۷۰ھ/۹۸۰ء) چوتھی صدی ہجری تک یہ سلسلہ بدستور قائم ہے۔

اس حقیقت کا انکار رذیل اور جاہل لوگ کرتے ہیں جنہوں نے ملتی جلتی سنن و آثار کو اٹھا کر دیکھا ان کے مطالب و معانی اور احکام کو نہ پاسکے ان میں بحث کرنے اور ان سے فقہی احکام نکالنے سے عاجز آ گئے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رُب حامل فقه غير فقيه و رب حامل فقه الى من هو أفقه منه (۸۳)

بہت سے فقہی حدیثوں کے راوی فقیہ نہیں اور بہت سے فقہی حدیثوں کے سننے والے ان کا منشا و مطلب زیادہ اچھا سمجھتے ہیں۔

اس حقیقت سے منکر جماعت کی مثال ایسی ہے جیسی مثال اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ط (۸۴)

ان لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہوئے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ج (۸۵)

یعنی وہ (باتیں جو یہ پوچھتے ہیں) تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری لگیں گی۔

اس سے مراد عبداللہ بن حذافہ وغیرہ کے بے محل و بے جا سوالات ہیں جیسے ''من ابی'' میرا باپ کون ہے؟ اور ''این انا'' میں کہاں ہوں؟ جن سے ہر شائستہ انسان کو ناگواری ہوتی اور تکلیف پہنچتی ہے۔ اس قسم کے فضول ولایعنی سوالات کی قباحت و ممانعت کا اظہار اس آیۂ شریفہ میں یوں کیا گیا ہے۔

وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ ط (۸۶)

اور اگر تم انہیں دریافت کرتے رہو گے اس زمانے میں جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔

اس قسم کے سوالات کی شریعت میں اجازت نہیں۔ لیکن ایسے سوالات جن سے حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور احکام الٰہی کی تعمیل کرنا مقصود ہو وہ اس کے زمرے میں داخل نہیں، یہی وجہ ہے کہ نت نئے مسائل کے متعلق احکام الٰہی کے اظہار و بیان سے کسی سائل کو ناگواری نہیں بلکہ خوشی و مسرت ہوتی ہے۔ (اس لئے ان پر عمل سے ہر ایک کی دینی و دنیوی زندگی سنورتی ہے چنانچہ ایسے تمام سوالات جن کا تعلق معاش کے شعبوں سے ہو یا معاد کے ان سے مقصد احکام کی بجا آوری ہے، وہ سب ''عفو'' درگزر کے دائرے میں داخل ہیں) چنانچہ آیت شریفہ میں ارشاد ہے:

عَفَا اللّٰه عنها ط

اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سے درگزر کی۔

یعنی اس قسم کے دینی مسائل میں بحث و تکرار پر تم سے باز پرس نہیں کی اور ان مسائل کے حقائق تم پر روشن کر دیے، (ذرا غور فرمائیں یہ فقہی بصیرت کیسا عظیم احسان الٰہی ہے)

اس مقام پر ''عفو'' درگزر کرنے کا مطلب ایسے سوالات سے درگزر کرنا، اجازت دینا،

سہولت فراہم کرنا، اور لگائی ہوئی پابندی کو ڈھیل دینا، آسانی کرنا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ج (۸۷)

اس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی اور تم سے درگزر کی۔

یہاں عَفَا عَنْكُم کے معنی سَهَّلَ عليكم کے ہیں یعنی تمہیں سہولت بخشی ہے (تم اس سے فائدہ اٹھاؤ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔

الحلال ما أحل الله والحرام ماحرم الله وما سكت عنه فهو عفو۔

حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اور جس سے اللہ تعالیٰ نے سکوت وخاموشی اختیار کی وہ عفو و درگزر کی حدود میں داخل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے اس میں سہولت دی گئی ہے فائدہ اٹھانے کی گنجائش رکھی گئی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عفوت لكم عن صدقة الخيل والرقيق۔ (۸۸)

میں نے تم سے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ سے درگزر کی۔(۸۹)

مذکورہ بالا ارشاداتِ نبوی سے اجتہاد کے موقع ومحل کی تعیین بھی ہو جاتی ہے۔

صحابہؓ کے اجتہادی طریقے کی پیروی

شمس الائمہ سرخسی المتوفی ۴۷۳ھ الحرر فی اصول الفقہ میں لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

اصحابی كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم۔

میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح رہنما ہیں ان میں سے تم جس کی پیروی کرو گے راستہ پاؤ گے، کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی اقتدا احکام الٰہی کی طلب وجستجو میں ان کے طریقے پر چلنے میں پوشیدہ ہے۔ نہ ان کی تقلید کرنے میں، اور ان کا طریقہ رائے واجتہاد پر عمل کرنا تھا

اور یہی آپ کے اس ارشاد کا کہ میرے بعد آنے والوں کی پیروی کرو اور میرے خلفاؓ کے طریقے پر چلتے رہو کا مطلب تھا کہ جن باتوں میں حکم صریح نہ پاؤ ان میں ان کے طریقہ اجتہاد و رائے پر گامزن رہو۔ (۹۰)

بعض مجتہد اکابر و اصاغر صحابہؓ کے بکثرت فتووں کے اسباب

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے (فتوے اور) روائتیں کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ تابعین کے فائدہ اٹھانے سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے (یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہؓ میں سے) حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بکثرت (فتوے اور) روایتیں مروی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ البالغہ میں رقمطراز ہیں:

فصارت قضایاہ وفتا واہ متبعة فی مشارق الارض ومغاربها (۹۱)

چنانچہ حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور فتووں کی اسلامی قلمرو کے مشرق و مغرب میں ہر طرف پیروی کی جاتی تھی۔ یہ بھی تقلید تھی،

اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے زیادہ زمانہ پایا انہوں نے حکمرانی کی ان سے سوالات کئے گئے، انہوں نے لوگوں کے فیصلے چکائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے امام تھے جن کی اقتدا اور پیروی کی جاتی تھی اور یہ جو افعال و اعمال کرتے تھے ان کو نظر میں رکھا جاتا تھا۔ ان کی طرف توجہ دی جاتی تھی، ان سے فتوے پوچھے جاتے، وہ ان کا جواب دیتے تھے، انہوں نے حدیثیں سنی تھیں اور وہ حدیثیں سناتے تھے یہ اکابر صحابہؓ میں سے تھے، ان کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرت ابوبکرؓ (۵۱ ق ھ۔۱۳ھ/۵۷۳۔۶۳۴ء)، حضرت عثمان (۴۷ ق ھ۔۳۶ھ/۵۷۷۔۶۵۶ء)، حضرت طلحہؓ (۲۸ ق ھ۔۳۶ھ/۵۹۶۔۶۵۶ء)، حضرت زبیرؓ (۲۸ ق ھ۔۳۶ھ/۵۶۴۔۶۵۶ء) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۲۳ ق ھ۔۵۵ھ/۶۰۰۔۶۷۵ء)، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۴۴ ق ھ۔۳۲ھ/۵۸۰۔۶۵۲ء)، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح عامر بن عبداللہؓ (۴۰۔۱۸ھ/۵۸۴۔۶۳۹ء)، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ (۲۲ ق ھ۔۵۱ھ/۶۰۰۔۶۷۱ء)، حضرت ابی بن کعبؓ (۰۰۰۔۲۱ھ/۰۰۰۔۶۴۲ء)، سعد بن عبادہؓ (۰۰۰۔۱۴ھ/۰۰۰۔۶۳۵ء)، عبادہ بن الصامتؓ (۳۸ ق ھ۔۳۴ھ/۵۸۶۔۶۵۴ء)، اسید بن حضیرؓ (۰۰۰۔۲۰ھ/۰۰۰۔۶۴۱ء)، معاذ بن جبلؓ (۲۰ ق ھ۔۱۸ھ/۶۰۳۔۶۳۹ء) اور انہی جیسے صحابہ رضی

اللہ عنہم سے بہت کم روایتیں منقول ہیں۔ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کثرت سے روایتیں منقول نہیں جس کثرت سے کم عمر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جیسے حضرت جابر بن عبداللہؓ (۱۶ ق ھ۔۷۵ ھ/ ۶۰۷۔۶۹۷ء)، ابوسعید خدریؓ (۱۰ ق ھ۔۷۴ھ/۶۱۳۔۶۹۳ء)، ابو ہریرہؓ عبدالرحمٰن بن صخرؓ (۲۱ ق ھ۔ ۵۹ ھ/۶۰۲۔۶۷۹ء)، عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ (۱۰ ق ھ۔۷۳ھ/۶۱۳۔۶۹۲ء)، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۷ ق ھ۔۶۵ ھ/۶۱۶۔۶۸۴ء)، عبداللہ بن عباسؓ (۳ ق ھ۔۶۸ ھ/۶۱۹۔۶۸۷ء)، رافع بن خدیجؓ (۱۲ ق ھ ۔۷۴ھ/۶۱۱۔۶۹۳ء)، انس بن مالکؓ (۱۰ ق ھ۔۹۳ھ/۶۱۲۔۷۱۲ء)، براء بن عازبؓ (۰۰۰۔۷۱ھ/۰۰۰۔۶۹۰ء)۔

اور انہی جیسے دوسرے صحابہؓ ہیں، ان مذکورہ بالا تمام صحابہؓ کا شمار فقہا صحابہؓ میں کیا جاتا ہے، یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔

اور ان سے کم عمر صحابہؓ جیسے حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ (۰۰۰۔۵۸ ھ/۰۰۰۔۶۷۸ء)، زید بن خالد جہنیؓ (۰۰۰۔۷۸ھ/۰۰۰۔۶۹۷ء)، عمران بن الحصینؓ (۰۰۰۔۵۲ ھ/۰۰۰۔۶۷۲ء)، نعمان بن بشیرؓ (۲۔۶۵ ھ/۶۲۳۔۶۸۴ء)، معاویہ بن ابی سفیانؓ (۲۰ ق ھ۔۶۰ ھ/۶۰۳۔۶۸۰ء)، سہل بن سعد ساعدیؓ (۰۰۰۔۹۱ ھ/۰۰۰۔۷۱۰ء)، عبداللہ بن یزید الخطمیؓ (۰۰۰۔تقریباً ۷۰ ھ/۰۰۰۔۶۹۰ء)، مسلمہ بن مخلد الزرقیؓ (۱۔۶۲ ھ/۶۲۲۔۶۸۲ء)، ربیعہ بن کعب الاسلمیؓ (۰۰۰۔تقریباً ۶۳ ھ/۰۰۰۔۶۸۳ء)، ہند بن ارشا اسلمیؓ (۰۰۰۔تقریباً ۵۰ ھ/۰۰۰۔تقریباً ۶۷۰ء)، اسماء بن حارثا اسلمیؓ (۱۴ ق ھ۔۶۲ ھ/۶۰۶۔ ۶۸۲ء)، یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے اور ساتھ رہتے تھے چنانچہ ان سے زیادہ روایتیں منقول ہیں اور ان دونوں میں اور انہی جیسے صحابہ ان میں علم زیادہ رہا اس لئے کہ یہ زیادہ مدت تک زندہ رہے اور ان کی عمریں بھی لمبی ہوئیں اور تا بعین کو ان کے علم سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اور بیشتر بڑے صحابہؓ ان سے پہلے وفات پا گئے اور ان اکابر صحابہؓ سے زیادہ علم نہیں پھیلا اس لئے بھی کہ اس وقت انہی صحابہؓ کی بڑی تعداد موجود تھی۔(۹۲)

عبداللہ بن مسعودؓ کا اجتہاد میں مرتبہ ومقام

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایسے بلند ترین فقیہ تھے کہ حضرت فاروق اعظم جیسے مجتہد اعظم و خلیفہ راشد سے فقہی مسائل میں سو سے زیادہ مسئلوں میں اختلاف رکھتے تھے، ابن حزم فرماتے ہیں۔

أما اختلافهما فلو تقصى يبلغ أزيدمن مائة مسئلة۔ (۹۳)

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مابین اختلافی مسائل کو اگر شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سو سے بھی زیادہ نکلے گی۔

فقہ وبصیرت کا گھاٹ

ابن سعد نے سند متصل حضرت مسروق کوفی علیہ رحمہ کا بیان نقل کیا ہے۔

لقد جالست أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، فوجدتهم كالاخاذ، فالاخاذ يُروى الرجل والا خاذيروى الرجلين و الاخاديروى العشرة والا خاذيروى المائة والاخاذ لوننزل به اهل الارض لا صدرهم، فوجدت عبدالله بن مسعود من ذالك الا خاد۔ (۹۴)

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے ساتھ ہم نشینی کی سعادت حاصل رہی ہے، چنانچہ میں نے انہیں گڑھوں (تالاب) کی طرح پایا (کوئی کم علم والا کوئی زیادہ علم والا) کوئی ایک آدمی کو سیراب کرتا کوئی دو کو سیراب کرتا، کوئی دس کو اور کوئی سو دو سو کو سیراب کرتا۔ ان میں ایسا بھی تالاب تھا کہ اگر اس سرزمین والے سب ہی آتے تو وہ سب کو سیراب کر کے لوٹا تا تو میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو (فقہی بصیرت میں) ایسا ہی تالاب پایا۔

علامہ بدرالدین زرکشی المتوفی ۷۹۴ھ ''البحرالمحیط'' میں رقمطراز ہیں۔

وأمّا ابن مسعود كان فقيهه الصحابة منتدبا بالفتوىٰ وكذلك ابن عباس و زيدبن ثابت ممن شهدله الرسول بأنه أفرض الأئمة رضى اللّٰه عنهم۔ المعتبر تصدية لهذا المعنى من غيرنكير۔ ولاشك فى كون العشرة من أهل الاجتهاد وكذلك من انتشرت فتاوىٰ كابن مسعود و عائشة وغيرهم كثرت فتاواهم

غیر أن الذی اشتهر منهم الفتاویٰ والأحکام جماعة مخصوصه۔

(۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فتوے سے وابستگی رہی ہے اس لئے وہ فقہی و فقیہ وصحابی کے لقب سے مشہور تھے، یہی حال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے اور حضرت زید بن ثابتؓ ان صحابہؓ میں سے ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسائل میراث کے سب سے بڑے عالم ہونے کی شہادت دی ہے اور وہ یہ خدمت برابر سرانجام دیتے رہے اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں، اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے مجتہدین ہونے میں بھی شک و شبہ نہیں ہے، اور ایسے صحابہؓ جن کے فتوے شائع ہیں جیسے ابن مسعود اور حضرت عائشہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن کے فتوے کثیر تعداد میں موجود ہیں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو احکام (حلال و حرام) سے متعلق مسائل میں شہرت رکھتے ہیں وہ ایک مخصوص اور ممیز و جماعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا روایتی معیار

اہل علم میں سے کسی کو اس بات میں شک نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقہ و درایت اور اتقان و احتیاط اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری و قربت کا جو مرتبہ و مقام حاصل تھا وہ کم ہی صحابہؓ کو حاصل ہوگا۔ چنانچہ امام عمرو بن میمون یمانی ثم کوفی المتوفی ۷۵/۷۴ھ کا بیان ہے:

مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہمنشینی کی برسوں سعادت حاصل رہی ہے۔ میں نے انہیں حدیثیں بیان کرتے ہوئے نہیں سنا ایک بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی تو احتیاط کا یہ عالم تھا کہ انہیں سہو کا اندیشہ و خطرہ ہوا اور خوف طاری ہوگیا پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب بات کہی تھی یا اسی قسم کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے، علم میں ان کا یہ مقام تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے وقت گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی، بیان روایت میں احتیاط کا یہ حال تھا۔ (۹۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا بلند معیار کا اندازہ مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ کے بیان سے کیا جا سکتا ہے وہ ''تذکرۃ الحفاظ'' میں رقمطراز ہیں۔

ابـو عبـدالرحمٰن عبداللّٰه ابن ام عبدالهذلي، صاحب رسول اللّٰه صـلـى الـلّٰـه عـليه وآله وسلم، وخادمه و أحدالسابقين الأولين، ومـن كبـار البـدريـيـن، ومـن نبـلا إلفقهاء و المقرئين، كان ممن يتـحـرى فـي الأداء و يتشـدد فـي الـرواية ويـزجـر تلامذتـه عن التهاون في ضبط الالفاظ۔ (۹۷)

حضرت ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن ام عبد ہذلی رضی اللہ عنہ، ۱۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں،۲۔ان کے خادم ہیں،۳۔سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔۴۔بڑے بدری صحابہ میں ہیں،۵۔نہایت بلند پایہ فقہا اور ۶۔قاریوں میں سے ہیں،۷۔ان صحابہ میں سے ہیں جو بیان روایت میں متشدد بہت سخت۔۸۔اور بہت محتاط تھے۔۹۔وہ اپنے شاگردوں کو الفاظ حدیث کے ضبط میں سستی اور ۱۰۔بے احتیاطی پر سختی سے روک ٹوک کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا روایتی معیار کتنا سخت اور بلند تھا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی مجتہدین کو ہدایت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم پر ایسا زمانہ بھی گزرا کہ ہم فیصلہ نہیں کرتے تھے،فتویٰ نہیں دیتے تھے۔کیونکہ اس وقت ایسے مسائل (اجتہادیہ) پیش نہیں آتے تھے۔پس اگر کسی کو حکم بتانا ہو تو کتاب سے بتائے اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتائے، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بھی نہ ہو۔

تو پھر اپنی رائے سے حکم بتائے اور فیصلہ صادر کرے۔(۹۸)

لہٰذا اگر نئے مسائل میں اجتہاد سے کام لینے کا پہلے سے رواج نہ ہوتا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مجتہدین کو اپنی اجتہادی رائے اور فقہی بصیرت سے مسئلے کا حکم پیش کرنے کی ہدایت نہ فرماتے، اور بعض صحابہ کرامؓ اس امر پر ان کی نکیر کرتے، یہ بات (ان پر نکیر نہ کرنا) اس امر کی شاہد ہے کہ ان کے یہاں اجتہادی رائے پر عمل کا معمول اور دستور تھا۔(۹۹) اسی لئے جس میں اجتہاد کی اہلیت وصلاحیت نہ ہو اس کو اجتہاد کی ہرگز اجازت نہیں۔(۱۰۰)

عبداللہ بن مسعودؓ کے مذہب وفتووں کی تشکیل وتدوین

علامہ ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ نے ''اعلام الموقعین'' میں امام محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ کا بیان نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

لم یکن احدله اصحاب معروفون، حرروا فتیاه و مذهبه غیر ابن مسعود رضی اللّٰه عنه۔ (۱۰۱)

کوئی مجتہد صحابی ایسا نہ تھا سوائے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جس کے مشہور ومعروف شاگرد اس کے فتووں اور اس کے مذہب کو قید تحریر میں لائے ہوں۔

سب سے پہلے تشکیل وتدوین مذہب وفتووں کی جمع وترتیب کی سعادت صرف عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ کو حاصل ہے اور وہ بھی مرکز علم کوفہ میں۔

اصول استنباط کی تشکیل وتدوین میں مجتہدین صحابہؓ کے تلامذہ کی مساعی جمیلہ

حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے تمام ابواب میں غور وخوض کرنے اور شریعت کے اصول کی روشنی میں اسلامی معاشرے میں پیش آنے والے مشکل مسائل کو حل کرنے کے اصول استنباط اور قواعد استخراج کی تشکیل وتدوین میں ائمہ مجتہدین اور ان کے شاگردوں کی مساعی جمیلہ کا یہ ثمرہ ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر بغدادی المتوفی ۴۲۹ھ اصول الدین میں فرماتے ہیں کہ۔

صحابہؓ میں سے چار صحابیؓ

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ۲۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ۳۔ زید بن ثابت انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ، ۴۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تمام ابواب فقہ (شریعت) میں بحث کی ہے۔ یہ چار صحابیؓ کسی مسئلے میں کسی قول پر اتفاق کریں تو مبتدع کے سوا کہ فقہ میں اس کے اختلاف کا اعتبار نہیں، مسلم امہ، ان کے قول پر مجتمع ہو جاتی ہے اور اسے اجماع کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہؓ کے قول کے مقابلے میں اپنی رائے اور قول میں منفرد ہوں اس میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ انصاری

(۴۷۔۱۴۸ھ/۶۴۰۔۷۶۵ء) عامر بن شراحبیل شعبی کوفی (۱۹۔۱۰۳ھ/۶۴۰۔۷۲۱ء) اور عبیدہ بن عمرو سلمانی (۷۲ھ/ ۶۹۷ء) ان کی اتباع کرتے ہیں۔

اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت زید بن ثابتؓ منفرد ہوئے اس میں امام مالکؒ و شافعیؒ اکثر ان کی پیروی کرتے ہیں اور مدینہ کے فقہاسبعہ میں سے ان کے فرزند خارجہؒ یقیناً انہی کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت ابن عباسؓ منفرد ہوئے اس میں عکرمہ بن عبداللہ بربری مدنیؒ (۲۵۔۱۰۵ھ/ ۶۴۵۔۷۲۳ء) اور سعید بن جبیر کوفیؒ (۴۵۔۹۵ھ/۶۶۵۔۷۱۴ء) ان کی اتباع کرتے ہیں۔

اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ منفرد ہوئے اس میں علقمہ بن قیس نخعی کوفیؒ (۶۲ھ/۶۸۱ء) اسود بن یزید نخعی کوفی (۷۵ھ/۶۹۴ء) اور ابوثور ابراہیم بن خالد کلبیؒ بغدادیؒ ان کی پیروی کرتے ہیں۔(۱۰۲)

امام ابوحنیفہؒ کی نظر میں ان مذکورۂ بالا ارباب فقہ ونظر اور مجتہدین صحابہؓ کی فقہی بصیرت و دقت نظر کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ ان سے مروی احادیث کی موجودگی میں قیاس کی اجازت نہیں دیتے، چنانچہ امام فخر الاسلام بزدویؒ فرماتے ہیں۔

إن كان الراوي معروفاً بالفقه، و التقدم في الاجتهاد، كالخلفاء الراشدين، والعبادلة الثلاثة، وزيدبن ثابت، و معاذبن جبل، و أبي موسى الاشعري و عائشة، رضوان اللّٰه تعالىٰ أجمعين، وغيرهم ممن اشتهر بالفقه والنظر، حديثهم حجة، يترك به القياس، وإن كان الراوي معروفاً بالعدالة والحفظ دون الفقه، مثل أبي هريرة، وأنس بن مالك رضي اللّٰه عنهما، فإن وافق حديثه القياس، عمل به، وإن خالفه لم يترك الحديث الالضرورة۔ (۱۰۳)

راوی کو اگر تفقہ اور اجتہاد میں شرف تقدم وشہرت حاصل ہے جیسا کہ خلفاء راشدین اور عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، اور عبداللہ بن عمر، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وعنہم ہیں اور ان کے علاوہ بھی صحابہؓ ہیں جن کو فقہ ونظر میں شہرت حاصل ہے ان کی حدیث حجت ہے ان کی حدیث کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑا

جائے گا۔

اور راوی اگر عدالت اور حفظ میں مشہور و معروف ہے لیکن فقہ میں مشہور نہیں جیسے حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت انس رضی اللہ عنہما ہیں ایسے راوی کی حدیث اگر قیاس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر اس کی حدیث قیاس کے مخالف ہے تو اس حدیث کو نہیں چھوڑا جائے گا مگر ضرورت کی وجہ سے یعنی قیاس کا دروازہ مطلقاً بند نہ کیا جائے۔ بلکہ قیاس کیا جائے گا۔

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ مذکورۂ بالا آئمہ مجتہدین کی مختصر جماعت کو یہ امتیاز و خصوصیت اس لئے حاصل تھی کہ ان برگزیدہ شخصیات کے اجتہادات پر صحت و سلامتی کی مہر تصدیق بارگاہ رسالت سے ثبت ہو چکی تھی اور انہیں افتا و تعلیم کی اجازت حاصل تھی، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ فتاوی عزیزی میں رقمطراز ہیں۔

کسانیکہ بحضورِ آں جناب ﷺ بپایۂ اجتہاد کامل رسیدہ بودند و آنحضرت ﷺ اجتہادات ایشان را تصویب فرمودند، وبفتویٰ و تعلیم اجازت فرمودہ بودند، مثل حضرت عمر، وعلی، ومثل عبداللہ بن مسعود، ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت وامثالہم (۱۰۴)

رسول اللہ ﷺ کے حضور میں جنہیں اجتہاد کامل نصیب تھا اور حضور اکرم ﷺ نے ان کے اجتہادات پر مہر تصدیق ثبت فرمائی اور انہیں فتوی و تعلیم دینے کی اجازت دی تھی جیسے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور انہی کی طرح بعض دوسری شخصیات ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ کا فقہی مقام حضرت عمرؓ و علیؓ کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے شاگردوں کو اجتہاد و فقہی بصیرت میں ایسا پختہ کیا تھا کہ دور فاروقی و عثمانی اور عہدِ مرتضوی میں کوفہ کا قاضی حضرت شریح (۷۸ھ/۶۹۷ء) کو بنایا گیا تھا جنہوں نے بعض مقدمات میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے خلاف فتوی دیا تھا اور انہیں عہدۂ قضا سے معزول نہیں کیا گیا چنانچہ ابو بکر الجصاص لکھتے ہیں:

ان علیا و عمر رضی اللّٰہ عنہما قلدوا شریحاً القضاء ولم

یعترضا علیه فی احکامه، مع اظهاره الخلاف علیهما فی کثیر من المسائل۔ (۱۰۵)

حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ نے حضرت شریح کو کوفہ کا قاضی بنایا اور ان کے فیصلوں پر اعتراض نہیں کیا باوجودیکہ قاضی شریح نے بہت سے مسئلوں میں ان سے اختلاف کیا۔

حضرت عمرؓ نے ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود کو آتے دیکھا تو حاضرین مجلس سے فرمایا:

کنیف ملئ علماً۔

یہ علم بھرا بار ا ہے، دوسری مرتبہ فرمایا:

کِنیفٌ ملئ فقهاً۔

تفقہ و فقہی بصیرت سے بھرا بارا ہے۔(۱۰۶)

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو:

اصحاب سرج هذه القریة۔ (۱۰۷)

یہ اس بستی (کوفہ) کے علمی چراغ ہیں۔

کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اس سے حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردوں کے علمی مقام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

شاگردانِ ابن مسعودؓ کا فقہی مرتبہ ابن عباسؓ کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قدر کرتے اور جب وہ آتے، تو حضرت ابن عباسؓ ان کی دعوت کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابراہیمؒ نے حضرت مسروق کا یہ بیان نقل کیا ہے:

کان ابن عباسؓ اذا قدم علیه أصحاب عبداللّٰه بن مسعودؓ صنع لهم طعاماً و دعاهم، قال، صنع لنا مرة طعاماً نجعل یسأل، و یُفتی و کان یخالفنا فما کان یمنعنا ان ترد علیه الا کنا علی طعامه(۱۰۸)

حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد آتے، تو وہ ان کے لئے کھانا تیار کراتے، انہیں بلاتے تھے، مسروق نے کہا: ایک بار انہوں نے ہمارے لئے کھانا تیار کیا۔ پھر مسائل پوچھنے اور فتویٰ دینے لگے، اور مسائل میں ہماری مخالفت کرنے لگے، ہمیں جواب دینے سے یہی بات مانع رہی کہ ہم ان کے یہاں کھانے پر مدعو تھے، (یہ موقع بحث ومباحثہ کے لئے موزوں نہیں تھا اس لئے ہم نے اس سے گریز کیا۔)

عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کا عہدِ صحابہ میں اجتہاد اور خدمت افتا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ عہدِ صحابہؓ میں اجتہاد کرتے تھے اور ان کے فتووں کو مانا جاتا تھا، چنانچہ امام ابواسحاق الشیرازی الشافعی المتوفی ۴۷۶ھ تحریر فرماتے ہیں۔

أصحاب عبدالله بن مسعودؓ كشريح والأسود وعلقمه كانوا يجتهدون في زمن الصحابة، ولم ينكر عليهم احد۔ (۱۰۹)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد جیسے قاضی شریح، اسود اور علقمہؒ عہدِ صحابہؓ میں اجتہاد کرتے تھے اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کا روایتی وثقاہتی معیار

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کو فقہ حدیث میں جو مرتبہ ومقام حاصل تھا اس کا اندازہ امام ابن تیمیہؒ کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے موصوف لکھتے ہیں:

وأما علماء أهل الحديث كشعبة و يحى بن سعيد، و أصحاب الصحيح والسنن فكانوا يميزون بين الثقات الحفاظ وغيرهم فيعلمون من بالكوفة والبصرة من الثقات الذين لاريب فيهم، وأن فيهم من هو أفضل من كثير من أهل الحجاز، ولا يستريب

عالم فی مثل أصحاب عبداللّٰہ بن مسعود کعلقمۃ، (۶۲ھ/۶۸۴ء)والأسود (۷۵ھ/۶۹۴ء)و عبیدۃ السلمانی (۷۲ھ/۶۹۱ء)والحارث التیمی (۶۵ھ/۶۸۵ء)و شریح القاضی (۷۸ھ/۶۹۷ء) ثم مثل إبراھیم النخعی، والحکم (۴۶۔۱۱۵ھ/ ۶۶۶۔۷۳۴ء) وأمثالھم من أوثق الناس وأحفظھم فلھذا صار علماء أھل الاسلام متفقین علی الاحتجاج بما صححہ اھل العلم بالحدیث من ای مصر کان، وصنف أبوداود السجستانی مفاریدأھل الامصار، یذکر فیہ ما انفرد أھل کل مصر من المسلمین من اھل العلم بالسنۃ۔ (۱۱۰)

اور لیکن اہل حدیث جیسے شعبہ اور یحییٰ بن سعید القطان او رارباب صحاح ستہ و سنن، حفاظ اور غیر ثقات میں تمیز کرتے تھے چنانچہ وہ کوفہ اور بصرہ کے ایسے ثقہ راویوں کو جن کی ثقاہت شک وشبہ سے بالاتر ہے خوب جانتے تھے اور ان میں بہت سے ایسے راوی بھی ہیں جو بہت سے حجازی راویوں سے بھی افضل و برتر تھے۔ اور کوئی عالم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی ثقاہت کے متعلق شک وشبہ میں پڑتا ہی نہیں تھا، جیسے علقمہ، اسود، عبیدہ سلمانی، حارث تیمی، شریح قاضی، ابراہیم نخعی، حکم بن عتیبہ ان کے بعد انہی جیسے حفاظ رواۃ سب سے زیادہ معتبر اور سب سے بڑھ کر حافظ موجود تھے۔ چنانچہ علما اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شناسان حدیث نے جن حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے ان سے استدلال اور حجت پیش کرنا درست ہے۔ ان اہل علم کا تعلق خواہ کسی شہر سے ہو، اور ابوداود سجستانی نے ایسی حدیثوں کو جن کی روایت میں ہر شہر کے علما منفرد ہیں انہیں ایک کتاب میں جمع کیا ہے جو "مفاریداہل الامصار" کے نام سے مشہور ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی کوفہ میں تعلیمی خدمات کا فیضان

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی تعلیمی خدمات کے متعلق محمد بن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ

کے بھائی نامور عالم انس بن سیرین بصری (۳۴۔۱۲۰ھ/ ۶۷۵۔۷۳۸ء) (۱۰۴) کا بیان قاضی حسن بن خلا المتوفی ۳۶۰ھ نے سند متصل ''المحدث الفاصل'' میں زینت کتاب کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

قدمت الكوفة قبل الجماجم فرأيت فيها أربعة لاف يطلبون الحديث ، وأربعمائة قد تفقهوا۔ (۱۱۱)

میں دیر جماجم کے واقعہ یعنی ۸۲ھ سے پہلے کوفہ میں گیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں چار ہزار طلبہ حدیث پڑھتے تھے۔اور چار سو طلبہ فقیہ بن چکے اور فقہی بصیرت حاصل کر چکے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد تابعین میں صرف کوفے میں چار سو فقیہ موجود تھے۔دوسرے اسلامی قلمرو کے بلاد اور دیہات کا کیا ذکر؟

ذرا نظر کو بلند کیجئے عہد صحابہؓ میں کسی صحابی کے شاگردوں کو کہیں ایسے القاب سے یاد کیا گیا ہے اور کیا کسی مجتہد کی تعلیمی و تدریسی خدمات کو خلافت راشدہ میں ایسے شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کو پیش کیا ہے یہ نتیجہ و ثمرہ اس فقہی بصیرت کا ہے جو انہیں حاصل تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی تعلیمی و تدریسی خدمات کے عہد اموی میں جو شاندار نتائج و ثمرات اور ان کے دیرپا اثرات کوفہ میں نکلے اس کی نظیر اسلامی قلمرو کے وسیع و عریض قطعہ میں کہیں اور مشکل سے ملے گی۔

عہد عباسی میں اس کا اثر کوفہ میں حدیث کی گرم بازاری

کوفہ میں حدیث کی گرم بازاری اندازہ قاضی حسن بن خلا درامہرمزی (تقریباً ۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۳ء) نے ''المحدث الفاصل'' میں محدث بغداد حافظ عفان بن مسلم بصری (۱۳۰۔۲۲۰ھ/ ۷۴۷۔۸۳۵ء) سے سند متصل نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

فقدمنا الكوفة فأقمنا أربعة اشهر، ولو اردنا أن نكتب مائة الف حديث لكتبنا ها فما كتبنا الاّ قدرخمسين الف حديث وما

رضينا من أحد الا بالاملاء إلا شريكا، فانه ابى علينا وما رائنا بالكوفة لحاناً مجوزا۔ (۱۱۲)

ہم کوفہ میں آئے تو چار مہینے ٹھہرے، ہم اگر یہاں یہ چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھیں تو لکھ سکتے تھے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھیں پھر کسی اور سے املا کے علاوہ راضی نہ ہوئے مگر شریک کے سوا کہ انہوں نے ہم سے انکار کیا اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا کہ جو عربیت میں غلطی کرے اور اس کو روا رکھے۔

عفانؒ جس شہر میں چار مہینے میں پچاس ہزار حدیثیں لکھیں اس شہر میں حدیث کی کثرت کا کیا ٹھکانا۔

❁

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۹،

۲۔ فتح القدیر الجامع بین فنی الروایة والدرایة من علم التفسیر شوکانی، مصر، مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۳۹ھ/ج. ۱ / ص ۲۶۲، تخریج احادیث اصول البزدوی للحافظ قاسم ابن قطلوبغا۔ کراچی، نور محمد ۱۳۸۲ھ/ص ۴، یہ اصول البزدوی کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

۳۔ الجامع لأحکام القرآن للقرطبی/ القاهره، مطبعة دار الکتب المصریه، ۱۹۳۹ء/ ج ۳/ص ۳۴۰،

۴۔ الرساله الام الشافعی تحقیق خالد البع العلی، زهیر شفیق النبی بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۴۲۱ھ/ص ۵۶،

۵۔ ایضاً،

۶۔ بصائر ذوی المیزقی لطائف الکتاب العزیز للمجدالدین الفیروزآبادی، القاهره، لجنة، احیا التراث الاسلامی، ۱۳۸۵ھ/ ج ۲/ص ۴۹،

۷۔ الجامع الأحکام القرآن/ ج۲/ص ۱۳۱،

۸۔ صحیح البخاری، کراچی، نور محمد، ۱۳۵۷ھ/ ج۱/ص ۱۶، جامع الترمذی، کراچی ایچ ایم سعید کمپنی ب ت / ج۱/ص ۹۳،

۹۔ مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، الریاض ۔۱۳۹۳ھ/ ج۲۰/ص ۲۱۲،

۱۰۔ صحیح البخاری/ ج۲/ص ۱۰۹۲،

۱۱۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ/ ج۳/ص ۸،

۱۲۔ اصول الجصاص تحقیق محمد محمد ناصر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ھ/ ج۲/ص ۲۳۸،

۱۳۔ ایضاً،

۱۴۔ ایضاً،

۱۵۔ اصول الجصاص/ ج۲/ص ۲۳۶۔۲۳۹،

۱۶۔ ایضاً،

۱۷۔ ایضاً،

۱۸۔ سورۂ بقرہ، آیت ۳۴،

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ O

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدے میں گر پڑے، مگر شیطان نے نہ مانا اور تکبر کیا۔

۱۹۔ ایضاً،

۲۰۔ اصول الفقہ للجصاص/ ج۱/ص ۲۳۶۔۲۳۸،

۲۱۔ ایضاً،

۲۲۔ ایضاً/ ج۲/ص ۳۶۹،

۲۳۔ اصول الجصاص/ ج۲/ص ۲۲۸۔۲۲۹،

۲۴۔ ایضاً/ ج۲/ص ۲۳۶،

۲۵۔ سورۂ آل عمران آیت ۱۵۹،

۲۶۔ الجصاص/ ج۲/ص۲۶۸،

۲۷۔ سورۂ النساء، آیت ۵۹،

۲۸۔ ایضاً، آیت ۸۳،

۲۹۔ سورۂ الحشر، آیت ۲،

۳۰۔ حصاص، ج۲،ص۲۶۸،

۳۱۔ سورۂ النحل آیت ۴۳، اصول اللجصاص/ ج۲/ص۳۷۱،

۳۲۔ سورۂ التوبہ، آیت ۱۲۲،

۳۳۔ صحیح البخاری، ۸/ ۱۷۷،/ ج۲/ص۹۹۱، کتاب الایمان و النذور باب من مات وعلیه نذر،

۳۴۔ نسائی باب حج المرأۃ عن الرجل/ ج۲/ص۴،/باب الحکم بالتقبیه والتمثیل / ج۲/ص۳۰۴، طبعہ کراچی قدیمی کتب خانہ،

☆ ابن ماجہ باب الحج عن الحی اذا لم یستطع /ص۲۰۹، طبع کراچی، قدیمی کتب خانہ،

۳۵۔ ابوداؤد، کتاب الصوم، باب القبلۃ للصائم حدیث نمبر ۲۳۸۵، الحاکم،/ ج۱/ص۴۳، مسند احمد، الفتح الربانی / ج۱۰/ص۵۲،

۳۶۔ مسند احمد، بیروت، المکتب الاسلامی،/ ج۵/ص۱۵۴،

۳۷۔ صحیح البخاری، کتاب الاجارۃ، باب ما یعطی فی الرقیۃ علی احیاالعرب ۳/ ۱۲۱،

☆ صحیح مسلم، باب جواز الاجرۃ علی الرقیۃ بالقرآن، الاذکار، حدیث نمبر ۱۷۱۶،

☆ محمد بن عبداللہ التمر تاشی الغزی الحنفی، الوصول الی قواعد الاصول، طبع بیروت دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۶ھ/ ص۱۴۔۱۶،

۳۸۔ الوصول الی قواعد الاصول/ص۱۶،

۳۹۔ صحیح البخاری/ ج۴/ص۲۰۷، صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب تحریم الخمر والمیتۃ، الوصول، ص۱۵،

۴۰۔ بخاری/ ج۷/ص۲۸، کتاب الطلاق، باب اذا عرض بنفی الولد، ''صحیح مسلم'' کتاب اللعان/ ج۲/ص ۱۱۳۷،

۴۱۔ اصول الجصاص/ ج۲/ص۲۲۴،

۴۲۔ مسند احمد/ ج۴/ص۲۰۵، اصول الجصاص/ ج۲/ص۲۱۶،

۴۳۔ صحیح البخاری، کتاب الشروط حدیث نمبر ۲۷۳۴،

۴۴۔ اصول الجصاص / ج ۲/ص ۲۲۳،

۴۵۔ ایضاً،

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ ایضاً/ ج ۲/ص ۲۱۶،

۴۸۔ سورۃ النسآء، یت ۲۹،

۴۹۔ سنن ابوداؤد/ ج ۱/ص ۱۴۵، کتاب الطہارۃ باب اذا خاف الجنب البرو یتیم، حدیث نمبر ۳۳۴،

۵۰۔ سنن نسائی کراچی، قدیمی، ص ۵۷،

۵۱۔ الاحکام/ ج ۵/ص ۹۴،

۵۲۔ ترجمہ مسلم، وحیدالزمان/ ج ۴/ص ۱۳۶،

۵۳۔ ایضاً،

۵۴۔ اکمال المعلم بفوائد مسلم للقاضی عیاض علیہ رحمہ/ ج ۶/ص ۱۱۰، طبع دارالوفاء

۵۵۔ مسلم/ ج ۲/ص ۹۲،

۵۶۔ زادالمعاد/ بیروت، مکتبہ ''المنارالاسلامیہ'' / ج ۳/ص ۱۳۱،

۵۷۔ کشف الاسرار علیٰ اصول فخر الاسلام البزدوی/ ج ۳/ص ۲۱۰، کراچی الصدف پبلشرز، الاجتهاد فی الشریعة الاسلامیه و بحوث اخری۔ ادارة الثقافة و النشر بالجامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیه ۱۴۰۴ھ

۵۸۔ اصول الجصاص/ ج ۲/ص ۲۲۲،

۵۹۔ معالم السنن/ بیروت/ دارالکتب العلمیہ/ ۱۴۱۶ھ/ ج ۴/ص ۱۵۳/ بذل المجهود، کراچی، معهد الخلیل/ ج ۴/ص ۳۰۹،

۶۰۔ تفسیر القرآن العظیم، مصر، مصطفیٰ البابی، ۱۳۵۶ھ/ ج ۱/ص ۳،

۶۱۔ طبقات الفقہا للشیرازی، بغداد ۱۳۵۶ھ/ص ۳،

۶۲۔ مقدمہ ابن الصلاح ومحاسن الاصطلاح القاہرہ دارالمعارف طبع ۱۴۱۱ھ/ص ۴۹۴،

☆ تدریب الراوی طبع ۱۹۵۹ء/ص ۴۰۵، ۴۰۶،

☆ ارشاد طلاب الحقائق الی معرفة سنن خیر الخلائق للنووی، المدینه المنورة۔

os\Alser

مکتبة الایمان ۱۴۰۸ھ/ ج۲/ص۵۹۷،

۶۳۔ الاحکام، القاہرۃ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۷ھ/ ج۵/ص۹۲،

۶۴۔ الاحکام،/ ج۵/ص۹۲۔۹۳،(ولہ) الرسالة الثالثة، اصحاب الفتیا من الصحابة ومن بعد هم علی مراتبهم فی کثرۃ الفتیا، ص ۳۱۹،

اس رسالے میں ابن حزم نے ارباب فتوٰی کی مجموعی تعداد ایک سو اٹھ بیان کی ہے ۔ ان میں ۱۴۲/ مرد اور ۲۰ خاتون ہیں۔

مکثرین سات، اور متوسطین ۱۳ بیان کئے ہیں باقی سب مقلین ہیں، یہ رسالہ سید کروی حسن کی تحقیق سے دار الکتب العلمیہ نے ۱۳۵۱ھ میں بیروت سے شائع کیا ہے۔

۶۵۔ شرح فتح القدیر/ ج۳/ص۳۳۰،

۶۶۔ ایضاً، اصحاب الفتیا،

۶۷۔ سنن ابی داؤد/ ج۔ا/ص ۲۸۸، کراچی، سعید اینڈ کمپنی، ب ت/ ج ا/ص ۲۸۸، باب فیمن تزوج ولم یسم صداقاً،

۶۸۔ سورۂ نساء، آیت ۱۲، ۱۷۶،

۶۹۔ السیوطی، الحاوی للفتاوی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء/ ج ا/ص ۱۶۱،

۷۰۔ الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر/ ج۲/ص۳۵۱،

۷۱۔ الحاوی للفتاوی/ ج ا/ص۱۶۲، (لہ)الکنز المدفون فی الفلک المشحون/ص۲۵۲،

۷۲۔ المدہشی، بیروت، عباس احمد الباز، ص ۵۱،

۷۳۔ الطبقات الکبریٰ/ ج۲/ص۳۵۰،

۷۴۔ کتاب العلل ومعرفة الرجال، استانبول، المکتبة الاسلامیہ، ۱۹۸۷ء/ ج ا/ص ۱۹۷، الطبقات الکبریٰ/ ج۲/ص ۳۵۱، تاریخ الثقات للعجلی، ص ۲۷۸، (ترجمہ ۸۸۶، عبداللہ بن مسعودؓ) سیر اعلام النبلاء/ ج۲/ص ۳۸۸، ترجمہ ابوموسیٰ الاشعری

۷۵۔ عہد صحابہ: جمہو مؤرخین کے نزدیک دور صحابہ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر ختم ہوتا چنانچہ امام ابواسحاق الشیرازی المتوفی ۴۷۶ھ "طبقات الفقہاء" (بغداد ۱۳۵۶ھ ص ۲۲۔۲۳) میں رقمطراز ہیں:
والـقـرض عصر الصحابة مابین تسعین إلی مائة۔ (صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ نوے سے سو کے مابین ختم ہوگیا) پہلی صدی ہجری کے خاتمے سے پہلے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر آخرت

اختیار کیا، اس کی تفصیل مورخ واقدی المتوفی ۲۰۷ھ نے یوں پیش کی ہے۔ ۱۔کوفے میں آخری صحابی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی (۸۶ھ/۷۰۵ء) میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ۲۔مدینے میں آخری صحابی سہل بن سعد ساعدیؓ (۹۱ھ/۷۱۰ء) سو برس کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ۳۔بصرے میں حضرت انس بن مالک نے (۱۰ق ھ۔۹۱ھ/۶۱۲۔۷۱۰ء) نے اور بعض کا قول ہے ۹۳ھ میں انتقال کیا۔ ۴۔شام میں حضرت عبداللہ بن جزءؓ نے (۸۸ھ/ ۷۰۶ء) میں وفات پائی۔ ۵۔(مکہ میں) حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ (۲ھ۔۱۰۰ھ/ ۶۲۵۔۷۱۸ء) میں وفات پائی۔ مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی نے حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ کا ذکر پہلی صدی ہجری کی وفیات کے ذیل میں کیا ہے لیکن لکھا ہے:

قال وهب بن جرير سمعت أبي يقول: كنت بمكة سنة عشرو مائة، فرأيت جنازة فسألت عنها، فقالوا: هذا ابوالطفيل۔ قلت: هذا هوالصحيح بثبوت إسناده و هو مطابق لماقيله

(تاریخ السلام/ص ۵۲۸، حوادث و وفیات ۱۰۰۸۰ھ)

وہب ابن جریر کا بیان ہے میں نے اپنے باپ سے سنا کہتے تھے کہ میں ۱۱۰ھ میں مکہ میں تھا میں نے ایک جنازہ دیکھا اور اس کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ صحابی رسول حضرت عامر بن واثلہؓ کا جنازہ ہے میں کہتا ہوں (الذہبی) یہ قول صحیح ہے۔ اس کی سند درست اور سیاق بیان کے مطابق ہے۔

۷۶۔ اصول الجصاص، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰/ ج۲/ص۳۷۳،

۷۷۔ طبقات الفقہاء للشیرازی، ص۱۲،

۷۸۔ الطبقات الکبری، بیروت، دار صادر، ۱۴۰۵/ ج۲/ص۲۳۴، سیر اعلام النبلاء/۲/ ص۴۲۳، الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر، مصر، مطبعۃ السعادہ، ۱۳۲۸ھ/ ج ۱/ص۵۶۲، (۲۸۸۰) قواطع الادلہ فی الاصول تالیف منصور بن احمد السمعانی، تحقیق محمد حسن، مکہ، عباس احمد الباز، ج۲/ص۲۶۲۵، تدریب الراوی فی شرح التقریب النووی، للسیوطی تحقیق عبدالرؤف عبدالطیف، بیروت، دار الکتب الحدیث، ۱۳۸۰/ ج۲/ص۱۲۹،

۷۹۔ الجامع/ ج ۲/ص ۲۸۹،

۸۰۔ مقدمہ ابن الصلاح ص ۴۴۱/ سیر اعلام النبلاء/ ج ۲/ص ۴۳۸،

۸۱۔ المستدرک علی الصحیحین ومعہ تلخیص الذہبی و کتاب الدرک لتخریج المستدرک لابن حجر، بیروت، دار المعرفہ، ۱۹۵۸ء/ ج ۱/ص ۲۸۶،

۸۲۔ احکام القرآن للجصاص، مصر، ۱۳۴۷ھ/ ج ۲/ص ۵۹۰۔۵۹۱،

۸۳۔ سنن ابوداؤد کتاب العلم، کراچی میر محمد کتب خانہ، ۲/۵۱۵، سنن ترمذی، ابواب العلم، کراچی ایچ ایم سعید کمپنی، ۲/۹۰،

سنن ابن ماجہ المقدمہ باب من بلغ علما کراچی قدیمی کتب خانہ ۲۱،

۸۴۔ سورۂ جمعہ آیت ۵،

۸۵۔ سورۂ المائدہ/ آیت ۱۰۱ تا ۱۰۲،

۸۶۔ ایضاً،

۸۷۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۷،

۸۸۔ سنن ابی داؤد کتاب الزکوۃ باب فی زکوۃ السائمۃ کراچی میر محمد کتاب خانہ (۱/۲۲۳) سنن الترمذی، ابواب الزکوۃ باب ماجاء فی زکوۃ الذہب والورق، کراچی ایچ ایم سعید کمپنی، (۱/۱۳۴)، سنن ابن ماجہ، کتاب الزکوۃ باب صدقۃ الخیل والرقیق، کراچی قدیمی کتب خانہ ص ۱۳۰، شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الزکوۃ باب الخیل السائمۃ، کراچی ایچ ایم سعید (۱/۳۶۳) صحیح ابن خزیمۃ باب اسقاط الصدقۃ صدقۃ المال عن الخیل والرقیق، بیروت المکتب الاسلامی ۱۴۱۲ھ، (۴/۲۸) جامع المسانید، حیدر آباد دکن، ۱۳۳۲ھ/ ۱/۴۶، المصنف لابی بکر عبدالرزاق، بیروت، المکتب الاسلامی ۱۳۹۱ھ/ ۶۸۷۹، ۶۸۸۰۔۶۸۸۱، المصنف لابن ابی شیبہ، ما قالوا فی زکوۃ الخیل، کراچی ادارۃ القرآن، العلوم السلامیہ، ۱۴۰۶ھ/۳/۱۵۲، سنن الدارقطنی بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۱۴ھ، ق ۲/ ج ۱/ص ۹۷، رقم ۲۰۰۲، سنن الکبری للبیہقی باب لاصدقۃ فی الخیل، ملتان نشر السنۃ ۴/۱۱۸،

۸۹۔ احکام القرآن للجصاص، مصر، ۱۳۴۷ھ/ ج ۲/ص ۵۹۰۔۵۹۱،

۹۰۔ المحرر فی اصول الفقہ للامام السرخسی / ج ۲/ص ۸۳، اصول الجصاص/ ج ۲/ص ۳۸۶، ۳۸۷،

۹۱۔ حجۃ اللہ البالغہ کراچی، قدیمی کتب خانہ، ج ۱/ص ۲۸۱،

۹۲۔ الطبقات الکبریٰ/ ج۲/ص ۳۷۶،
۹۳۔ لاحکام فی اصول الاحکام/ ج۶/ص ۶۱،
۹۴۔ طبقات، ج۲/ص ۳۴۳،
۹۵۔ البحر المحیط، ج۶،ص ۲۱۱،۲۱۲،
۹۶۔ اصول الجصاص/ ج۲/ص ۲۲،
۹۷۔ تذکرۃ الحفاظ،طبع ۱۹۵۵ء/ ج۱/ص ۱۳۔۱۴،
۹۸۔ اصول الفقہ للجصاص/ ج۲/ص ۲۳۱،
۹۹۔ ایضاً/ ج۲/ص ۲۳۱،
۱۰۰۔ ایضاً/ ج۲/ص ۲۳۶،
۱۰۱۔ اعلام الموقعین عن کلام رب العالمین، بیروت، دار الجیل،/ ج۱/ص ۲۰،
۱۰۲۔اصول الدین تالیف عبدالقادر البغدادی، استانبول، مطبعۃ الدولۃ ۱۳۴۶ھ/ص ۳۱۱
۱۰۳۔ اصول البر دوی،ص ۱۵۸۔۱۵۹،اصول السرخسی/ ج۲/ص ۳۳۸،
۱۰۴۔ فتاویٰ عزیزی، دہلی مطبع مجتبائی،۱۳۴۱ھ/ ج۱/ص ۱۱۸،
۱۰۵۔ اصول الجصاص/ ج۲/ص ۱۵۶،۱۵۷
۱۰۶۔ الطبقات الکبریٰ/ ج۲/ص ۳۴۴،
۱۰۷۔ تاریخ الثقات للعجلی،طبع ۱۴۰۵ھ/ص ۲۷۶،
۱۰۸۔ اصول الجصاص/ ج۲/ص ۱۵۶۔۱۵۷،
۱۰۹۔ ابواسحاق شیرازی الشافعی، کتاب اللمع،
۱۱۰۔ مجموع الفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، الریاض ۱۳۹۸ھ/ ج۲۰/ص ۳۱۷،
۱۱۱۔ المحدث الفاصل،ص ۵۶۰،
۱۱۲۔ المحدث الفاصل،ص ۵۵۹،